[illegible]

كلا بل تكذبون بالدين

تنقید لطیف

بر

خیالات ظریف

یعنی

علیگڈہ کالج کے ایک سابق پروفیسر مسٹر محمد ظریف ایم اے کے
دہریانہ و ملحدانہ خیالات کا ابطال و اسلامی عقائد کا ثبوت عقلی نقلی
علمی منطقی فلسفی اور سائنٹفک دلائل سے۔ اور انکے اعتراضات اسلام و عقلیات کا
مدلل مکمل اور تشفی بخش جواب

از جناب مولوی حاجی غلام حسنین صاحب پانی پتی مصنف تفسیر الکتاب
و معیار الاخلاق و کشف الحقیقت و تفسیر القرآن و ترجمہ فلسفہ ہربرٹ سپنسر وغیرہ
مصنف کی تصحیح و نظر ثانی کے بعد اور ایک دیباچہ اور دو ضمیموں کے اضافہ کے ساتھ

محمد انوار علی ہاشمی نے باہتمام ... عصر پریس ... میں چھپوا کر شائع کیا

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اِنتساب

بنامِ نامی و اسمِ گرامی

عالیجناب آنریبل مولٰنا راجہ سیّد ابو جعفر صاحب

راجۂ ریاست پیرپور فیض آباد اودہ

ممبر امپیریل لیجسلیٹو کونسل ملک ہند و ممبر بورڈ آوف ایجوکیشن

ادام اللہ اقبالھم و ضاعف اجلالھم

جناب ممدوح کے پایۂ علمی و عملی اور مذاق دینی و مذہبی کے لحاظ سے نیز اُس تعلیمی دلچسپی اور فیاضی کی وجہ سے جو ذاتِ والاصفات سے ہمیشہ ظاہر ہوتی رہی ہے

مُصنّف

بادبِ تمام

اِس کتاب کو معنون کرتا ہے

فہرست مضامین تنقید لطیف خیالات ظریف

باب دوم
اسلام اور عقلیت کی تینوں فصلوں پر ایک نظر

باب سوم ـ دین اکبری اور عقلیت

خاتمہ
مصنف کے بعض خیالات پر ایک نظر

دیباچہ تنقید لطیف بر خیالات ظریف

مسٹر ظریف ایم۔ اے سابق پروفیسر علیگڈھ کالج نے مادیت و دہریت کی حمایت میں ایک کتاب "اسلام اور عقلیت" لکھی ہے جس میں اسلام کو علم و عقل کا مخالف بتایا ہے۔ توحید۔ نبوت۔ معاد وغیرہ عقاید کو توہمات جاہلانہ کہا ہے۔ اصول اسلام کا جابجا مضحکہ اڑایا ہے۔ غرضکہ اہل اسلام کا دل دکھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ✦

سنہ ۱۹۱۲ء کے وسط میں مصنف نے اس کتاب کی ایک جلد جناب شمس العلما مولانا حالی (مرحوم) کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ جناب ممدوح نے وہ کتاب مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ "اسپر کچھ لکھو" راقم نے مُتَوَکِّلاً عَلَی اللہِ اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور بِفَضْلِہٖ تعالیٰ چند ہی ہفتہ میں اسپر ایک بسوط ریویو لکھدیا۔ جس میں ابطال دہریت اور اثبات عقاید اسلامی پر قطعی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ریویو "تنقید لطیف بر خیالات ظریف" کے عنوان سے اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء تک ہفتہ وار اخبار وطن کے ستر کالموں میں شائع ہوا۔ کچھ کاپیوں کی اشاعت جداگانہ طور پر بھی کی گئی تھی۔ مگر چونکہ یہ مضمون بجائے کتابی صورت کے اخباری صورت میں چھپا تھا۔ لکھائی چھپائی صاف نہ تھی۔ جابجا غلطیاں بھی رہ گئی تھیں لہذا ناظرین اس سے جیسا کہ چاہئے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اب شائقین کی خواہش پر بعد تصحیح و نظر ثانی اس ریویو کو کتابی صورت میں شائع کرنا ضروری سمجھا گیا ✦

گزشتہ دو سال کے عرصہ میں "تنقید لطیف" کے متعلق مجھے بہت سے لوگوں کے خیالات معلوم کرنے کا موقع ملا ہے جس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس رسالہ نے ایک خاص حد تک اس ضرورت کو پورا کیا ہے جو عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی۔ ہر فرقہ۔ ہر درجہ اور ہر طبقہ کے مسلمانوں نے اسکی قدر کی۔ جدید و قدیم تعلیم یافتہ حضرات نے بالاتفاق اسکے دلائل کو مستحکم اور تسلی بخش تسلیم کیا۔ چنانچہ بعض ارباب دانش و بینش

اور اصحابِ علم و فضل کی رائیں اس مرتبہ کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ درج کر دی گئی ہیں۔
مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی کتابوں کی اشاعت ایک وسیع حد تک کی جائے
کم سے کم تمام ہائی سکولوں اور کالجوں کے مسلمان طلبہ کے ہاتھوں میں اسکی ایک ایک
جلد پہنچائی جائے۔ تاکہ وہ دہریت کے زہریلے اثر سے جو عام طور پر پھیل گیا ہے اور پھیل
رہا ہے محفوظ رہیں۔ اربابِ ہمت کی ادنیٰ توجہ سے یہ مرحلہ بآسانی طے ہو سکتا ہے +

میرے بھائی خواجہ غلام الثقلین بی۔ اے نے "تنقید لطیف" کی ایک جلد
پروفیسر ظریف کے پاس بھیجی تھی۔ انہوں نے اسکے جواب میں ۱۰۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کو جو خط بھیجا تھا
اُسکی نقل حسب ذیل ہے :-

"جناب مکرمی خواجہ صاحب تسلیم۔ آپکا عنایت نامہ معہ "تنقید لطیف" کے پہنچا۔
تنقید واقعی لطیف ہے۔ زبان نہایت شستہ اور شائستہ ہے۔ اور خواجہ غلام الحسنین صاحب سے
معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کو نہایت توجہ سے پڑھا ہے میں اُسکو نہایت دلچسپی اور شوق سے
پڑھ رہا ہوں۔ اور عنقریب ایک مختصر سا جواب لکھوں گا ....."

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر ظریف "تنقید لطیف" کا مکمل جواب نہیں لکھ سکتے
اسی لئے اُنہوں نے "مختصر سا جواب" لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر ابتک اس جواب کا معرضِ
ظہور میں آنا ثابت کرتا ہے کہ "تنقید لطیف" کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اسلام کی خوبی اور الحاد
کی خرابی کا نقش اُنکے دل پر بیٹھ گیا ہے اور اپنے خیالات فاسدہ کا فساد اُن پر ظاہر ہو گیا ہے
بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ اب مسٹر ظریف دہریت کی حمایت سے دست بردار ہو گئے ہیں اور اسکے
متعلق کچھ گفتگو کرنا یا لکھنا نہیں چاہتے۔ آخر میں خداوند ذو الجلال سے دعا مانگتا ہوں کہ
پروفیسر ظریف کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اور اپنے خیالاتِ سابقہ سے علی الاعلان رجوع کرنیکی
جرأت کرامت فرمائے۔ آمین۔

خاکسار غلام الحسنین پانی پتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنقید لطیف بر خیالات ظریف

(۱۰)

تمہید

علم و عقل کا تقاضا

یکے یہود و مسلماں خلاف می جستند — چنانکہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم

بطنز گفت مسلماں گر ایں قبالۂ من — درست نیست خدایا جہود میرانم

جہود گفت بتوریت می خورم سوگند — وگر خلاف کنم ہمچو تو مسلمانم

گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد — بخود گماں نبرد ہیچ کس کہ نادانم

یہ قطعہ سعدیؒ کی مشہور کتاب گلستاں سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے:

۱۔ **ایک تمہیدی حکایت** ایک یہودی اور ایک مسلمان کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔ انکی گفتگو سن کر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ مسلمان نے یہودی کو حقیر سمجھ کر طنز کے طور پر کہا۔ "اگر میرا یہ قبالہ صحیح نہ ہو تو اے خدا میرا حشر یہودیوں کے ساتھ ہو"۔ یہودی اس کے جواب میں بولا۔ "میں توریت مقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں غلط کہتا ہوں تو تجھ جیسا مسلمان ہو جاؤں"۔ اس قصے سے شیخ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر دنیا میں عقل کا کہیں نام و نشان باقی نہ رہے تو بھی کوئی شخص اپنی نسبت بے عقلی اور نادانی کا گمان نہیں کرے گا۔

۲۔ حکایت مذکورکا اطلاق ملاحدہ پر یہ حکایت ان بے عقل اور کج فہم اشخاص کے مناسب حال ہی جو اپنے مقابلے میں دنیا کو احمق بتاتے ہیں اور اپنی عقل کے آگے دوسروں کی عقل کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ان ملحدوں منکروں۔ دہریوں اور مادہ پرستوں پر صادق آتی ہی۔ جن کا یہ دعویٰ ہی کہ مذہب ایک وہم پرستی ہی۔ روح کوئی چیز نہیں ہی۔ دنیا کا کوئی بنانے والا۔ پیدا کرنے والا۔ منتظم یا حاکم نہیں۔ عالم کا تمام کارخانہ ازلی مادہ کی ازلی قوت سے اتفاقی طور پر بن گیا ہی۔ یہ گوناگوں کائنات جس کی بیشمار حکمتوں اور صنعتوں کا احاطہ کرنے سے عقل انسانی عاجز و قاصر ہی۔ اس کا خالق کوئی حکیم و قدیر و علیم نہیں۔ یہانتک کہ ذی عقل اور ذی شعور انسان کا پیدا کرنے والا بھی یہی بے عقل و بے شعور مادہ ہی ◆

۳۔ انبیا کی بابت ملحدوں کے خیالات لاکھوں انبیا۔ اولیا۔ صلحا۔ علماء اور عقلاء جنہوں نے لوگوں کو خدا کا رستہ دکھایا۔ باہمی حقوق و فرائض سے ان کو آگاہ کیا۔ نیکی و بدی کا مفہوم سمجھایا۔ عاقبت کی ذمہ داری یاد دلائی اور اُن کو بے شمار روحانی۔ تمدنی۔ اور اخلاقی فائدے پہنچائے۔ غرضکہ جنہوں نے دنیا کی ہدایت کے لئے طرح طرح کی روحانی اور جسمانی تکالیف کے برداشت کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ایسے مقدس پیشواؤں کو یہ ملاحدہ یا تو (معاذ اللہ) دغاباز اور ریاکار بتاتے ہیں یا بیوقوف اور جاہل کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ نیچر پرست۔ یہ مادہ پرست یہ نفس پرست یہ ہوا پرست اُن مقدس خداپرستوں کی جوتی کا تسمہ کھولنے کی لیاقت بھی نہیں رکھتے۔ اُن کی وہی مثل ہی چھوٹا منہ بڑی بات کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (کہف ع ۱)

۴۔ اسلام اور عقلیت یوں تو قدیم زمانہ سے ملحدانہ اور دہریانہ خیالات کے لوگ ہوتے آئے ہیں مگر آجکل انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں سب سے پہلا شخص جس نے

مذہبی قیود سے نکل کر آزادی و لا مذہبی کا اعلان کیا اور لوگوں کو اُس کی دعوت دی وہ مسٹر محمد ظریف ایم۔اے ہیں حضرت ظریف علیگڈھ کالج کے ممتاز طلبہ میں سے ہیں۔ ایم۔اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد اُسی کالج کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے اور اس وقت کلکتہ کے شاہی ریکارڈ آفس سے تعلّق رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے "اسلام اور عقلیت[لہ]" کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب چھپوائی ہے جس میں لا دینیت و دہریت کی کُھلم کُھلا حمایت کی گئی ہے مذہب اور مذہبی پابندیوں کو بالکل فضول اور لغو بتایا گیا ہے اور مسلمانوں کو نہایت دلسوزی سے یہ صلاح دی گئی ہے کہ اسلام کو چھوڑ دو۔ یورپ کی تمام ترقی لا مذہبی کی بدولت ہے۔ اگر ترقی کرنا چاہتے ہو تو ملحد۔ دہری اور لا مذہب بنجاؤ +

یہ کتاب غالباً مسٹر ظریف کی پہلی تصنیف ہے اور سیّد فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے اپنے اُردو پریس میں اُس کو چھاپ کر حال ہی میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب چھوٹی جیبی تقطیع کے ۴۴۶ صفحوں پر ایک ہینڈ بک کی صورت میں چھپی ہے +

جون ۱۹۱۳ء کے آخر میں جب یہ کتاب میری نظر سے گزری تو میں نے بعض احباب سے اُس کے مضامین کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ شاید ظریف نے ظرافت کی ہو۔ دو مہینے پہلے یعنی اپریل میں شائع کر کے اپریل فول کا تماشا دکھایا ہو کیونکہ اس مہینے میں یورپین تہذیب نے ظرافت کے طور پر نہایت لغو اور بے سروپا باتوں کا شائع کرنا جائز رکھا ہے اور خصوصاً اخبار نویس خوب دل کھول کر بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے مصنف نے بزعمِ خود سنجیدگی سے اپنے دلی خیالات کا اظہار کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اندرونی جذبات کا آئینہ ہے +

۵۔ عقلیت کا مفہوم	لفظ "عقلیت" جو کتاب مذکور کے نام کا ایک جزو اور مصنف کا

لہ لفظ عقلیت غلط ہے مصنف نے عقل کی بجائے عقلیت لکھا ہے (غلام الحسنین پانی پتی)

اکھڑا ہوا نظر ہی ۔ اس کا مفہوم اور کتاب کا اصل مقصود معلوم کرنے کے لئے تمام کتاب کی ورق گردانی ضروری نہیں ۔ بلکہ ٹائٹل پیج (سر ورق) کے الٹتے ہی یہ عقدہ حل ہو جاتا ہی ۔ اگلے ہی ورق پر بسم اللہ کی بجائے (جس کی ایک مسلمان مصنّف کی کتاب میں توقع کی جاتی ہی) یہ شعر جلی قلم سے لکھا ہوا نظر پڑتا ہی ۵

أموتٌ ثمّ بعثٌ ثمّ نشرٌ
حدیثُ خرافةٍ یا أمَّ عمرٍو

یہ شعر ایک قدیم ملحد شاعر کا ہی جو نہ خدا کا معتقد معلوم ہوتا ہی نہ عذاب و ثواب کا ۔ نہ جزا و سزا کا ۔ بلکہ ان باتوں کو لغو اور فضول سمجھتا ہی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلیت سے مصنّف کی مراد ہی ۔ مادیت ۔ دہریت ۔ الحاد ۔ کفر ۔ بیدینی ۔ لا مذہبی وغیرہ اور ان ہی خیالات کی حمایت میں یہ کتاب لکھی گئی ہی مصنّف نے صنعت براعۃ الاستہلال کا بہت خوب استعمال کیا یعنی نفس مضمون شروع کرنے سے پہلے ایک ایسا شعر لکھا جو نہ صرف مقصد کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہی بلکہ واقعی اس کا لب لباب ہی ۔ یہ شعر مشر ظریف کے اندرونی خیالات کا صحیح عکس اور ان کے دلی جذبات کا سچا فوٹو ہی ۔ ان کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے غالباً اس سے بہتر دوسرا شعر نہیں مل سکتا تھا ۔

۶ ۔ علم و عقل کا تقاضا جو مصنف نے قرار دیا ہی ۔

مصنّف نے کتاب شروع ہی میں اوّل اس بات پر تعجب ظاہر کیا ہی کہ اب تک دنیا میں خدا ۔ ملائکہ ۔ قیامت وغیرہ کے ماننے والے موجود ہیں ۔ پھر دوسرے جملہ میں علم و عقل کا تقاضا حسب ذیل بتایا ہی :

"آجکل علم و عقل کا زمانہ ہی اور علم و عقل کا تقاضا ہی کہ انسان کسی چیز کو نہ مانے

---

۵ شعر کا ترجمہ یہ ہی ۔ "کیا موت کے بعد دوبارہ زندگی اور پھر قیامت میں لوگوں کا جزا و سزا کی غرض سے حاضر ہونا صحیح ہی ؟ اے ام عمرو ! یہ تو ایک پرانا ڈھکوسلا ہی ۔"

(غلام الحسنین پانی پتی)

جب تک کہ وہ مشاہدے اور تجربے میں نہ آسکے" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱)
آگے چل کر انہوں نے لفظ "عقلیت" کے معنی بھی بتا دیئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ "عقلیت کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے خیالات اور اعمال عقل و علم پر قائم ہوں" (رر صفحہ ۱۲، ۱۳)

۷۔ مصنف کے خیال کی غلطی

"کسی شئے کا مشاہدہ اور تجربہ میں آسکنا" اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اُس شئے میں فی حد ذاتہٖ تجربہ اور مشاہدہ میں آنے کی قابلیت و استعداد موجود ہو۔ اب اس امر کا فیصلہ کیونکر ہوگا کہ فلاں شئے میں یہ قابلیت موجود ہے اور فلاں شئے میں موجود نہیں اس کے فیصلے کے لئے ایک معیار کی ضرورت ہے مصنف کا فرض تھا کہ وہ ایسا معیار مقرر کرتا۔ ہمارے نزدیک یہ معیار وحی و الہام ہے جو تجربہ اور مشاہدہ کی حد ہم کو بتاتا ہے اور جو باتیں تجربہ اور مشاہدہ میں نہیں آسکتیں مگر درحقیقت صحیح ہیں اور اُن کا ماننا ضروری ہے اُن کا یقین کرنے کے لئے فطری اور وجدانی دلائل کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ایک دانشمند اور صاحب علم آدمی کی شان سے یہ بات نہایت بعید ہے کہ آج تو ایک چیز کی بابت یہ حکم لگائے کہ وہ مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آئی یا نہیں آسکتی لہذا ماننے کے قابل نہیں۔ علم و عقل کے خلاف ہے اور کل جب کہ علوم کی ترقی کی بدولت وہی چیز مشاہدہ اور تجربہ میں آجائے اُس وقت اُس کو ماننے کے قابل اور علم و عقل کے موافق بتایا جائے +

۸۔ مصنف کے دعوے میں دو امر تنقیح طلب ہیں۔

عقل کا تقاضا جو مصنف نے بتایا ہے محل نظر ہے اور اس میں دو امر تنقیح طلب ہیں :-

(۱) مشاہدہ اور تجربہ کا معیار کیا ہے۔ آیا صرف ظاہری حواس پر اُس کا دار و مدار ہے یا کسی باطنی قوت کی بھی ضرورت ؟

(۲) ہر فرد بشر کو بطور خود مشاہدہ اور تجربہ کرنا ضروری ہے یا بعض افراد کا تجربہ اور مشاہدہ

دوسروں پر حجت ہوسکتا ہی؟

۹- تنقیح اول پر بحث — اگر محض حواس ظاہری کی شہادت پر علوم کی بنیاد قائم کی جائے اور علم و عقل کا یہی تقاضا ہو کہ جو شے حواس ظاہری سے محسوس نہ ہوسکے یعنی دیکھنے سُننے۔ سونگھنے۔ چکھنے اور چھونے میں نہ آسکے اس کو نہ مانا جائے۔ تو اس قرار داد پر تمام مادّی علوم کی عمارت منہدم ہو جاتی ہی۔ اس لئے کہ ان علوم کا دار و مدار مادہ پر ہی۔ اور مادہ کی بابت اہل سائنس کا یہ خیال مدّت سے چلا آتا ہی کہ وہ نہایت ہی چھوٹے چھوٹے ذرّوں سے (جن کو انگریزی میں اٹیمز اور عربی میں اجزائے لایتجزیٰ اور سالمات بھی کہتے ہیں) مرکّب ہی۔ کہا جاتا ہی کہ یہ ذرّے اس قدر چھوٹے ہیں کہ اُن طاقتور خُردبینوں کی مدد سے بھی نظر نہیں آسکتے جو کسی شے کو اُس کے اصلی حجم سے ہزاروں گُنا دکھاتی ہیں۔ پس ایسے ذرّوں کے وجود کو تسلیم کرنا کسی نے نہ تو اُن کو آنکھ سے دیکھا۔ نہ اُن کی آواز کو سُنا۔ نہ اُن کی بُو سونگھی۔ نہ اُن کا مزہ چکھا اور نہ اُنکو ہاتھ سے چھُوا۔ اور تمام مادی علوم کی بُنیاد کو اُن پر قائم کرنا علم و عقل کے خلاف ہونا چاہیئے۔ اگر مسٹر ظریف کا مُسلّمہ صحیح مان لیا جائے تو تمام مادی علوم کے اصول اولیہ باطل ہو جاتے ہیں اور اصول اولیہ کا ابطال خود اُن علوم کا ابطال ہی۔ جس سے موجودہ سائنس کی بُنیاد ہی ڈھے جاتی ہی۔ لہذا ثابت ہوا کہ کسی چیز کی تصدیق کے لیے محض حواس ظاہری کی شہادت پر دار و مدار نہیں رکھا جاسکتا۔ بلکہ اس کے لئے بعض صورتوں میں دوسری قسم کی شہادت ضروری ہی ؀

۱۰- تنقیح دوم پر بحث — علی ہذا القیاس ہر فرد بشر کے لئے مشاہدہ و تجربہ کرنا قطعی ناممکن ہی۔ ہر شخص کو نہ تو اتنی فرصت مل سکتی ہی اور نہ اتنی لیاقت ہوتی ہی کہ وہ ہر ایک علم کو حاصل کرکے اس کی ایک ایک بات کا بطور خود تجربہ کرے۔ اس کی ایک بدیہی مثال یہ ہی کہ "اسلام اور عقلیت" کے مصنّف مسٹر ظریف نے اس کتاب کے مقدمہ میں

جو کچھ لکھا ہو وہ زیادہ تر "دانایانِ فرنگ" کی تحقیقات پر مبنی ہو۔ سورج - عطارد - زہرہ زمین - چاند - مریخ - مشتری - زحل وغیرہ سیارات کے قطروں - اُن کے فاصلوں اور اُن کی گردشوں وغیرہ کے حالات جو اُنھوں نے قلمبند کئے ہیں وہ سب اسٹرانومی (علم ہیئت) کے عالموں کی تحقیقات ہو۔ دُنیا کا بتدریج اور خود بخود بننا۔ انسان کو حیوان اول قرار دینا (صفحہ ۱۱) اور یہ فیصلہ کرنا کہ انسان زمانہ گزشتہ میں پہلے مچھلی پھر چھپکلی اور پھر بندر تھا (صفحہ ۱۲) یہ سب کچھ ڈاروِن وغیرہ کی تقلید ہو۔ ہم کو اُمید نہیں کہ پروفیسر ظریف کے پاس آلات رصد کا اس قدر کافی ذخیرہ ہو کہ انھوں نے بذات خود علم ہیئت کے متعلق تحقیقات کی ہو اور اس میں تو کلام ہی نہیں کہ اُنھوں نے یا اُن کے اُستادوں نے یا کسی دوسرے شخص نے عالم کی پیدایش یا انسان کی ابتدائی حالتوں کا یعنی اُس کے مچھلی - چھپکلی یا بندر بننے کا ہرگز تجربہ و مشاہدہ نہیں کیا۔ بلکہ محض قیاس اور اٹکل سے کام لیا ہو۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ[۵۱] (انعام ۶ ع ۱۴)

۱۱ - اس بحث کا خلاصہ مطلب بیان مندرجۂ بالا سے یہ بات صاف ہو گئی کہ کسی بات کے صحیح ماننے کے لئے محض حواس ظاہری کی شہادت پر دارومدار نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ بعض حالتوں میں دیگر ذرائع سے ضروری طور پر کام لینا پڑتا ہو۔ خواہ وہ ظن و قیاس ہو (جس سے مسٹر ظریف عموماً کام لیتے ہیں) یا یقینی و قطعی دلائل ہوں - یہ بات بھی طے ہو گئی کہ ہر شخص کا فرداً فرداً مشاہدہ اور تجربہ کرنا نہ تو ممکن ہو اور نہ اس کی ضرورت ہو۔ بلکہ اکثر حالتوں میں ایسے اشخاص کی بات پر اعتماد کرنا ضروری ہو جن کا علم اور جن کی عقل قابل اعتماد ہو۔

اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسٹر ظریف کا یہ اصول کہ :- "انسان کسی چیز کو نہ مانے جب تک کہ وہ مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آسکے"

---

[۵۱] "یہ لوگ محض اپنے وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں"
(غلام الحسنین پانی پتی)

عام طور پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کو اکثر ایسی باتیں ماننی پڑتی ہیں اور ہم اُن کو مانتے ہیں جو نہ ہمارے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ میں آئی ہیں اور نہ کسی دوسرے شخص کے۔ اور بعض ایسی باتیں بھی ماننی پڑتی ہیں اور ہم اُن کو مانتے ہیں جو نہ تو ہمارے مشاہدہ اور تجربہ میں آسکتی ہیں اور نہ ہم جیسے دیگر اشخاص کے۔

۱۳۔ علم و عقل کا صحیح مقتضاء ہم نے بحمداللہ مصنّف کے اس بنیادی اصول کی غلطی روز روشن کی طرح ظاہر کر دی جس پر اُن کے دہریانہ اور ملحدانہ عقائد کی عمارت قائم ہے۔ اب ہم بتائیں گے کہ علم و عقل کا صحیح مقتضا کیا ہے؟ وہ یہ ہے:۔

"جب کوئی شخص کسی بات کا دعوے کرے اور تم کو اس دعوے کی غلطی کا علم قطعی نہ ہو اور اس کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تم کو اس کی تکذیب کا کوئی حق نہیں۔ البتہ اس سے دلیل طلب کر سکتے ہو۔ اگر وہ کوئی دلیل بیان کرے اور تم اسکی دلیل کو باطل کر دو تو بھی اس کا مدعا باطل نہ ہوگا بلکہ مشکوک ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کوئی اور دلیل ہو۔ جس کو وہ نہ جانتا ہو صرف تمہارے لا نُسَلِّمُ کہہ دینے سے کوئی دعوی باطل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ تم اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل قائم نہ کر سکو مثلاً کوئی شخص کہے کہ میرے گھر میں فرش فروش جھاڑ۔ فانوس۔ میز۔ کرسی وغیرہ بہت سا سامان موجود ہے اور تم کبھی اس کے گھر کے اندر داخل نہیں ہوئے۔ یا داخل ہوئے مگر اس کو سرسری نظر سے دیکھا۔ یا اس مکان کا پورا حصّہ نہیں دیکھ سکے۔ ایسی حالت میں اگر تم اُس شخص کی تکذیب کرو اور یہ کہو کہ میں نے یہ چیزیں تمہارے گھر میں کبھی نہیں دیکھیں۔ یہ چیزیں میرے مشاہدہ میں تو نہیں آئیں لہٰذا تمہارا قول باطل اور ناقابل اعتبار ہے۔ میں اس کو نہیں مانتا۔ تو کوئی شخص بھی تم کو زمرۂ عقلاء میں شمار نہیں کرے گا۔ علی ہٰذا القیاس بغیر دلیل و برہان کے محض اپنے خیال اور گمان سے کسی امر کا اعتقاد کرنا یہ بھی خلاف عقل ہے۔ الغرض

عاقل کا کام یہ ہی کہ جب تک کسی بات کے خلاف قطعی دلیل موجود نہ ہو اُس کا انکار نہ کرے۔ اگر کوئی دلیل اس کے برخلاف موجود نہ ہو تو سکوت اختیار کرے اور یہ کہے کہ اس امر کی صحت اور عدم صحت حالت احتمال میں ہی۔ انکار بغیر قطعی علم کے عقلمندوں کا کام نہیں ؎؎

۱۳۔ مصنف کے ٹھوکر کھانے کی وجہ قصّہ مختصر یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہی کہ جو بات مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آسکے وہ ماننے کے قابل نہیں یا جو بات ہماری عقل میں نہ آسے وہ خلاف عقل ہی یا جس بات کا ہم کو علم نہ ہو وہ غلط ہی۔ اسی غلطی کی وجہ سے "اسلام اور عقلیت" کے مصنف نے ٹھوکر کھائی ہی۔ اور اسلام کو خیرباد کہہ کر توحید۔ نبوّت۔ معاد۔ بہشت۔ دوزخ وغیرہ اسلامی عقائد سے بغیر کسی دلیل کے انکار کیا ہی ؛

۱۴۔ مسلمان اور ایمان بالغیب اس موقع پر معترض کہہ سکتا ہی کہ خیر خدا کے وجود۔ قیامت اور جزا و سزا وغیرہ عقائد کے خلاف ہمارے پاس تو کوئی دلیل نہیں ہی مگر تم نے کس دلیل سے ان باتوں کو مانا آخر تمھارے پاس ان کے وجود کی کیا دلیل ہی؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہی کہ ان چیزوں کا ممکن ہونا تو اسی بات سے ثابت ہی کہ کوئی دلیل عقلی ان کے خلاف موجود نہیں اور نہ آج تک کسی ملحد نے ان چیزوں کے باطل کرنے کے لئے (بجز ہنسی اُڑانے کے) کبھی کوئی دلیل پیش کی رہا ان کے وجود کا یقین۔ سو قطع نظر اُن بیشمار دلائل کے جو ان کے ثبوت میں علم کلام کی کتابوں میں مشروح و بسط کے ساتھ موجود ہیں اُس کی بنیاد اُن لاکھوں راستبازوں کے قول پر ہی جنھوں نے مدت العمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جن کا قول اور فعل ہمیشہ مطابق رہا اور جن کے عادات و اخلاق تمام دنیا کے لئے نمونہ ہیں میری مراد اُن ہادیانِ دین انبیا۔ اولیاء اور حجج اللہ سے ہی جن کی صداقت اور راستبازی پر کوئی بڑے سے بڑا ملحد

بھی حرف گیری کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا پس جب کہ ایسے مقدس اور معتمد بزرگوں نے بالاتفاق یہ خبر دی کہ خدا ہے اور جملہ صفات کاملہ سے موصوف اور تمام صفات ناقصہ سے منزّہ ہے اور مرنے کے بعد جزا و سزا اور ثواب و عذاب ضرور ہے اور خبر بھی ایسی متواتر کہ اُس سے بڑھکر خیال میں نہیں آسکتی۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس خبر کو غیر معتبر قرار دیا جاے۔ نہیں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ اُن کی تصدیق کریں۔ خصوصًا جب کہ کوئی عقلی دلیل اس کے خلاف موجود نہیں اور وجدانی و فطری دلائل اس کے مؤیّد ہیں +

ہم مسٹر ظریف سے سوال کرتے ہیں کہ انہوں نے کس دلیل سے جانا کہ ٹرکی اور اٹلی (جن کی باہمی جنگ کا اخباروں میں آجکل بڑا چرچا ہے) کرۂ زمین موجود ہیں۔ بابر اور اکبر کی شخصیت اور اُن کے عہد کے واقعات کی تصدیق کے ذرائع اُن کے پاس کیا ہیں؟ (حالانکہ اُنہوں نے ٹرکی اور اٹلی کو غالبًا اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بابر اور اکبر کو یقینًا نہ تو دیکھا اور نہ اب دیکھ سکتے ہیں اور ان بادشاہوں کے عہد کے واقعات نہ تو ان کے مشاہدے اور تجربے میں آسے اور نہ اب آسکتے ہیں) پس جس دلیل سے وہ ان چیزوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ معتبر اور قوی دلیل سے ہم خدا اور قیامت کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری تصدیق کے ذرائع ان کی تصدیق کے ذرائع سے بہت زیادہ باوزن اور باوقعت ہیں +

۱۵۔ کیا انسان اسرار کائنات اور ماہیت اشیاء دریافت کرسکتا ہے؟

مسٹر ظریف نے مقدمہ کتاب میں "رموز دہر" (صفحہ ۱) "ماہیتِ اشیاء" (صفحہ ۱۹) اور "اسرار کائنات" (صفحہ ۲۰) کا جا بجا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اُن کا سمجھنا اور دریافت کرنا انسان کا کام ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دانایانِ فرنگ نے اُسے (دہریا دنیا کو) خوب دیکھا اور سمجھا ہے (صفحہ ۲) یعنی رموز دہر۔ اسرار کائنات اور ماہیت اشیاء سب کچھ اُن پر

منکشف ہوگیا۔ مگر مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ رموز دہر یا اسرار کائنات کو بقدر طاقت بشری دریافت کرنا بے شک انسان کا فرض ہے۔ مگر یہ سمجھنا کہ انسان نے ماہیت اشیاء کا پتہ لگا لیا۔ اور جو کچھ دریافت کرنا تھا دریافت کر لیا۔ بالکل غلط ہے۔ علم و عقل کے مدعی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا میں جس قدر علم ہے اضافی ہے۔ واقعی علم کسی شے کا کما حقہ آج تک نہ تو معلوم ہوا اور نہ انسان کا دماغ اُس کو معلوم کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے فلاسفہ بے شمار مشاہدوں اور تجربوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور فطرت انسانی بھی اس کی شہادت دیتی ہے کہ ہم کسی شے کے صرف خواص معلوم کر سکتے ہیں۔ اس کی ماہیت معلوم نہیں کر سکتے۔ مثلاً سونے کی بابت یہ تو بتا سکتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کی دھات ہے لوہے وغیرہ کے مقابلہ میں نرم ہے۔ اُس کا تار نہایت باریک کھنچ سکتا ہے۔ اس کو کوٹ کے نہایت ہی مہین ورق بنا سکتے ہیں۔ اُس کا وزن مخصوص ۱۹ ہے۔ مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ سونا کیا چیز ہے؟ یہ کہنا کہ وہ ایک عنصر ہے اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ ہم اس کی ماہیت نہیں جانتے۔ قدیم زمانہ میں خاک۔ باد۔ آب۔ آتش چار عناصر مانے جاتے تھے۔ آج کل ان میں سے پہلی تین چیزیں تو مرکب ثابت ہو چکی ہیں اور چوتھی شے یعنی آگ کو مادی نہیں مانا جاتا۔ عناصر کی تعداد آج کل اکیاسی ۸۱ تک پہنچ گئی ہے اور ابھی تحقیقات ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ چند سال قبل ریڈیم دھات کے دریافت ہونے سے تمام پچھلی تحقیقات ناقص اور غلط قرار پا چکی ہے۔ جس کی کیفیت آئندہ لکھی جائے گی +

الغرض ماہیت اشیاء کی تحقیقات کا دعویٰ غلط ہے۔ البتہ جس قدر علمی تحقیقات وسیع ہوتی جاتی ہے اور اشیاء کے خواص زیادہ معلوم ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر زیادہ عملی فوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں اور تمدن و معاشرت میں نسبتہً زیادہ سہولت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسرار کائنات کا عقدہ حل کر لیا گیا اور جو کچھ ہم کو دریافت کرنا تھا دریافت کر چکے۔ ایسا خیال کرنا دلیل نادانی ہے و نشہد دُرُّ من قال

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے یہاں | کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک | گنجینۂ غیب میں اسی طرح نہاں

(حالی)

میں نے چند سال پہلے اپنی کتاب معیار الاخلاق میں اس بحث کے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ ہو بہو آپ کے حسب حال اور گویا آپ کے خیالات کا ابطال ہے۔ اس کا اقتباس آپ کی بصیرت کے لئے کسی قدر یہاں بھی دیا جاتا ہے و ہو ہذا :-

"آج کل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی عموماً یہ حالت ہے کہ ان کے دل شکوک و شبہات سے پُر ہوتے ہیں۔ وہ مذہب کی طرف سے نہ صرف غافل ہوتے ہیں بلکہ بعض مذہبی احکام کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ ان کے کان ابتدا سے دہریوں اور ملحدوں کے خیالات سے تو بخوبی آشنا ہوتے ہیں۔ مگر فلسفۂ الٰہیات سے بالکل نا آشنا۔ فلاسفۂ یورپ کے رکیک سے رکیک خیالات کو بھی خواہ وہ کیسے ہی بعید العقل ہوں آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہہ کر تسلیم کر لیتے ہیں مگر حکمائے ربانی کی تعلیم سے جو فی الحقیقت فطرت انسانی کے موافق ہے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ ہیڈلا اور ڈارون وغیرہ کے قیاسات پر وحی آسمانی سمجھ کر ایمان لاتے ہیں مگر فخر الاولین والآخرین کے کلام معجز نظام پر التفات نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں اخلاقی و روحانی فلسفہ کی گنجایش نہیں رہتی۔"

دنیوی فلسفہ جو محض انسانی خیالات کا نتیجہ ہے باختلاف زمانہ بدلتا رہا اور بدلتا رہے گا مگر دینی فلسفہ جو خدا نے اپنے خاص بندوں کی معرفت ہم کو سکھایا ہے نہ کبھی بدلا ہے اور نہ بدلے گا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (تم خدا کے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے) اس لئے انسان کا فرض ہے کہ وہمیات کو یقینیات کے درجہ پر نہ سمجھے۔ جو امور بیرون از رسائی عقل

ہیں اور جن کی حقیقت کا ادراک انسانی عقل کما حقہ نہیں کر سکتی۔ اُن میں خواہ مخواہ دخل نہ دے۔ یہ سمجھ لینا کہ تمام اسرار الٰہی ہم نے سمجھ لئے ہیں اور جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے وہ غلط ہی۔ انتہا درجہ کی غلطی ہی کیونکہ ہماری عقل محدود ہی اور ایک خاص دائرے سے آگے نہیں بڑھ سکتی +

جس قدر نامور اور مشہور حکما گزرے ہیں اُنھوں نے اپنی کم علمی کا ہمیشہ اقرار کیا ہی اور اپنی تحقیقات کی آخری حد قرار نہیں دیا۔ سقراط سے کسی نے پوچھا "تم کو دانا کیوں کہتے ہیں" اُس نے کہا "اس کی وجہ یہ ہی کہ مجھے اپنی جہالت کا علم ہی"۔ نیوٹن کا قول ہی کہ "میرا علم اس لڑکے کے علم کے برابر ہی جو سمندر کے کنارے پر بیٹھا ہوا سیپیاں جمع کر رہا ہو اور جس کو اس کے اندر کے جواہرات کا کچھ علم نہ ہو"۔ ہربرٹ سپنسر موجودات کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہی۔ ایک وہ جو بیرون از رسائی عقل ہیں۔ دوسرے وہ جن کا علم ایک حد تک حاصل ہو سکتا ہی۔ یہی حکیم صاف صاف لکھتا ہی کہ دنیا میں جس قدر علم ہی وہ اضافی ہی۔ واقعی علم کسی شے کا جیسا کہ چاہئے حاصل نہیں ہو سکتا +

قصہ مختصر حقیقی حکمت یہی ہی کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھے اور اپنی عقل ناقص کو (جس کا نقص روزمرہ مشاہدہ میں آتا ہی) وحی والہام کا تابع رکھکر اسرار کائنات میں بقدر واجب غور و خوض کرے۔ اور "ایاز قدرِ خود بشناس" کے قابل قدر مقولے کو اپنا دستور العمل بنائے۔ اس کے خلاف عمل کرنا حکمت نہیں بلکہ جہالت و سفاہت میں داخل ہی ؎

ایکہ بر مائدۂ یوروپ مہماں باشی	حیف باشد اگر از جملۂ ایشاں باشی
حیف اگر از اثرِ فلسفۂ مغرب یاس	منکر فلسفۂ سنّت و قرآں باشی

سمر از شعبدۂ جلوہ دہر سے نہی از ہذیاں صد افسانہ و دستاں گوئی		منکر معجزۂ موسیٰ عمراں باشی جاہل از معرکہ ہائے شہ مرداں باشی

از خداوند جہاں یاد نیاری گاہے روز و شب خود بہ پرستاری سلطاں باشی	(شبلی)

باب اوّل

اسلام اور عقلیت کے مقدمہ کی تنقید

۱۶۔ اسلام اور عقلیت کے مضامین کی فہرست

مصنّف نے اپنی کتاب کے شروع میں مقتضائے علم و عقل کی بابت جو خیال ظاہر کیا تھا اس پر کافی بحث ہو چکی اور یہ بات ثابت کی گئی کہ ان کا دعویٰ بے بنیاد اور ناقابل قبول ہے۔ اب ہم مضامین کتاب پر ایک نظر ڈالیں گے اور ناظرین کو اس کی حقیقت دکھائیں گے۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور تین فصلیں ہیں۔ مقدمہ میں مصنّف نے اپنے ملحدانہ اور دہریانہ خیالات کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ گویا اس شعر کی توضیح و تشریح کی ہے جسے اپنی کتاب کا عنوان اور سرنامہ بنایا تھا تینوں فصلوں میں "عقلیت" کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پہلی فصل میں "عرب اور عقلیت" کی تاریخ ہے۔ دوسری فصل میں "ہندوستان کے مسلمانان سلف اور عقلیت" کا بیان ہے۔ تیسری فصل میں "زمانہ حال اور عقلیت" کی بحث ہے۔

۱۷۔ مصنّف کے ملحدانہ خیالات

اس کتاب کا مقدمہ صفحہ ۱ سے صفحہ ۲۳ تک ہے اس کے مضامین کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

مصنّف اس بات پر تعجب ظاہر کرتے ہیں کہ اس علم و عقل کے زمانہ میں

یہی لوگ خدا - ملائکہ - وحی و الہام وغیرہ مذہبی عقائد کو مانتے ہیں - ان کے نزدیک اصلی خدا یہی ہے - دنیا ہے - دنیا مادہ اور قوت سے مل کر آپ سے آپ بن گئی ہے - اس کا بنانے والا کوئی نہیں دنیا ہمیشہ سے خود بخود بتدریج بنتی اور بگڑتی چلی آئی ہے - یا بالفاظ مصنف "یہ عظیم الشان و حیرت انگیز ناچ ازل سے ہو رہا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا"

انسان زمانہ گزشتہ میں پہلا نچلی کیچڑ چھپکلی مچھ مینڈک تھا - روح کوئی چیز نہیں مرنے کے بعد جزا و سزا کچھ نہیں بلکہ انسان کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے - مذہب مخرب اخلاق ہے - مذہبی آدمی یہ سمجھکر کہ توبہ قبول ہو سکتی ہے زیادہ گناہ کرتا ہے اکثر مذہبی و متشرع لوگ جھوٹے مکّار - ریاکار - خود غرض - اور گندم نما جو فروش ہوتے ہیں اور اکثر ملحد اور بے دین لوگ سچے - اچھے - سیدھے اور صاف دل ہوتے ہیں +

انسان کا مقصد زندگی یہ ہے کہ دنیا میں آرام و عزت سے زندگی بسر کرے - علم و فن سیکھے صحبتِ بد سے بچے - خوب ورزش کرے - جوانی میں شادی کرے - خوب روپیہ جمع کرے - پڑھے - لکھے - سوچے - قومی کام کرے - بیفائدہ نماز نہ پڑھے - بیکار روزے نہ رکھے - اس دنیا کے بعد دوسری دنیا نہیں ہے - اس پچاس ساٹھ برس کی زندگی کو غنیمت سمجھے اور ضائع نہ کرے "اپنے والدین کا شکریہ ادا کرے کہ انھوں نے اسے پیدا کر کے اسے دنیا کو دیکھنے اور اس میں رہنے کا موقع دیا" دنیا کی سب چیزوں سے لطف اٹھائے مگر اسراف نہ کرے - "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" - اصلی خوشی - اصلی سعادت اعتدال میں ہے - اگر اسراف کرے گا تو "گولی مار دینے کے قابل ہوگا" ماہیت اشیاء دریافت کرے - قوانین فطرت کو سمجھے - ان کے مطابق

زندگی بسر کرے - انسان خدا کا جزو ہی - اسرار کائنات دریافت کرکے مادے اور قوّت کو مطیع و مسخر کر سکتا ہی - عقل کے زور اور علم کے ذریعے سے انسانیت سے بھی ترقی کرکے اشرف المخلوقات ہو سکتا ہی اور اگر چاہے تو خودکشی کرکے اپنے کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہی +

مسلمان صراط مستقیم سے بہت دور ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان میں روح ہی - وہ سمجھتے ہیں کہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں وہ دوسری دنیا میں جزا و سزا کے قائل ہیں - وحی و الہام کو مانتے ہیں - فرنگستان اس اوہام پرستی سے آزاد ہو گیا اور ترقی کر رہا ہی - مسلمان لکیر کے فقیر ہیں روز بروز تباہ ہو رہے ہیں - جس قوم کا مذہب سچّا اور درست ہوتا ہی وہی قوم دنیا میں ترقی کرتی ہی - زمانہ سابق میں اسلام نے اس لئے ترقی کی تھی کہ وہ بہ نسبت دیگر مذاہب کے اصول عقلیت کے زیادہ مطابق تھا - آج کل علم و عقل کا مذہب پیدا ہو گیا ہی (یعنی دہریت والحاد) اس مذہب کی پیروی کی بدولت فرنگستان اسلامی سلطنتوں کو دبائے ہوئے ہی - زمانہ حال میں جو ہندوستان - ایران - مصر اور ترکی کے مسلمانوں میں ترقی کے آثار نمایاں ہیں وہ بھی عقلیت ہی کی وجہ سے ہیں +

۱۸ - مصنف کے تمام دعوے بلا دلیل ہیں

یہ ہیں مصنّف کے خیالات جو مقدمہ کتاب میں ظاہر کئے گئے ہیں مگر ایک عجیب بات یہ ہی کہ انھوں نے اپنے کسی دعوے کی دلیل بیان نہیں کی اور اپنے ہر قول کو ایسا بدیہی اور یقینی سمجھا ہی جس میں کسی کو چون و چرا کی گنجایش نہ ہونی چاہیئے جو ہر ایک شخص کو بلا دلیل مان لینا چاہیئے +

قاعدہ کلیہ ہی کہ جب کوئی شخص اپنے مخالف کے مقابلہ میں زبان کھولتا ہی یا کوئی کتاب لکھتا ہی تو اپنے ہر دعوے کے ثبوت میں کوئی نہ کوئی دلیل ضرور پیش کرتا ہی خواہ وہ

دلیل کیسی ہی کمزور ہو مگر "اسلام اور عقلیت" کا مصنّف اس قاعدے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتا ہی +

۱۹- ان دعووں کی ایک فہرست جن کو مسٹر ظریف زبردستی تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔	مسٹر ظریف کا فرض تھا کہ وہ اپنے ان دعووں کا باقاعدہ ثبوت پیش کرتے :-

(۱) خدا کوئی علیم و حکیم و خبیر و قادر مطلق ہستی نہیں ہی- اصلی خدا دہر ہی +

(۲) دنیا مادہ اور قوت سے مل کر خود بخود بن گئی ہی +

(۳) مادہ ازلی اور ابدی ہی +

(۴) دنیا کا سلسلہ ازلی و ابدی ہی +

(۵) انسان پہلے مچھلی- پھر چھپکلی- پھر بندر تھا +

(۶) روح کوئی چیز نہیں +

(۷) مرنے کے بعد جزا و سزا نہیں +

(۸) انسان خدا کا جزو ہی +

(۹) گناہ کا معاف ہونا ناممکن ہی +

(۱۰) وحی و الہام کوئی چیز نہیں +

اور اس کے ساتھ ہی اُن دلائل کا تسلّی بخش اور قابل اطمینان جواب دینا لازم تھا جو اہل اسلام نے خدا کی ہستی- روح کی ہستی- وحی و الہام اور معاد وغیرہ عقائد کے ثبوت میں پیش کئے ہیں- مگر نہایت افسوس کا مقام ہی کہ وہ خواہ مخواہ اور بلا وجہ اپنے خیالات کو زبردستی تسلیم کرانا چاہتے ہیں اور اسلامی عقائد کو بغیر کسی دلیل کے علم و عقل کے خلاف اور اوہام پرستی بتاتے ہیں- ایک علم و عقل کا مدعی جس نے "عقلیت" کی عام دعوت دی ہی اور دنیا کو مذہبی پابندیوں سے آزاد کرانے کا بیڑا اُٹھایا ہی اُس کی طرف سے ایسی طفلانہ کارروائی صاحبانِ بصیرت کو ضرور ورطۂ حیرت میں ڈالے گی ہ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا		جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَلْبَابِ وَقُوْلُوْا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[۱]

۳۰- مسٹر ظریف خود بھی اپنے دعووں کو قطعی اور یقینی نہیں سمجھتے۔

مصنف نے جو کچھ لکھا ہے قیاس و گمان سے لکھا ہے اور خود بھی اس بات کو سمجھتے ہیں اس کے ثبوت میں ہم اُن کی کتاب سے دو عبارتیں نقل کرتے ہیں :-

(۱) "حشرات الارض پہلے غالباً ہم صورت تھے۔ رفتہ رفتہ اُن کی صورتوں میں اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ جو پانی میں رہنے لگے اُن کی صورت اور ہو گئی جو خشکی پر رہنے لگے اُن کی صورت اور ہو گئی۔ جو ٹھنڈی جگہ رہنے لگے اُن کی صورت اور ہو گئی۔ جو گرم جگہ رہنے لگے اُن کی صورت اور ہو گئی۔ چونکہ حشرات الارض ضرورت سے زیادہ تھے۔ ان میں جنگ چھڑی۔ اس جنگ میں کسی کیڑے نے کسی عضو کو استعمال کیا کسی نے کسی عضو کو۔ اس سے اُن کی صورتوں میں اور اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ جن کیڑوں نے دانتوں اور پنجوں کو زیادہ استعمال کیا وہ درندے بن گئے۔ جن کیڑوں نے بازوؤں کو زیادہ استعمال کیا وہ پرندے بن گئے۔ بعض کیڑوں نے بہ نسبت اور اعضا کے دماغ سے زیادہ کام لیا وہ انسان ہو گئے"

(اسلام و عقلیت صفحہ ۹ و ۱۰)

(۲) "مذکورۂ بالا دعوے کے مطابق جمادات۔ نباتات اور حیوانات سب انسان کے بھائی بند ہیں۔ خاصکر حیوان اور انسان میں قرابت بہت زیادہ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسان حیوان زادہ ہے۔ انسان کے بچے کی شکل ماں کے پیٹ میں شروع میں مچھلی سے ملتی ہے پھر چھپکلی سے ملنے لگتی ہے پھر بندر سے ملنے لگتی ہے"

(اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۱)

---

[۱] اے آنکھوں والو عبرت پکڑو۔ اور کہو کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے +
(غلام الحسنین پانی پتی)

پہلی عبارت میں لفظ "غالباً" سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف کو اپنے دعوے پر وثوق نہیں ہے ورنہ وہ "غالباً" نہ لکھتے بلکہ "یقیناً" لکھتے +

دوسری عبارت میں جو نتیجے نکالے گئے ہیں وہ بھی کسی دلیل پر نہیں بلکہ محض دعوے پر مبنی ہیں جیساکہ اِن الفاظ سے ظاہر ہے۔ "مذکورہ بالا دعوے کے مطابق" ایسی غیر یقینی باتوں پر کسی اعتقاد کی بُنیاد رکھنا ہمارے نزدیک علم و عقل کا مقتضا نہیں ہو سکتا +

۲۱ ـ مصنف کے قیاسات پر جرح (۱) اگر تمام حشرات الارض پہلے ہم صورت تھے تو سب کی حالت اور فطرت بھی یکساں ہونی چاہیئے۔ مثلاً ابتدا میں سب کے سب یا تو خشکی میں رہتے ہوں گے یا پانی میں۔ اگر سب خشکی میں رہتے تھے اور ان میں سے بعض اتفاقاً پانی میں جا پڑے تو پانی میں زندہ رہنے کی استعداد یکایک ان میں کس طرح پیدا ہو گئی اور اگر سب پانی میں رہتے تھے تو خشکی میں زندہ رہنے کی طاقت فی الفور کہاں سے آگئی۔ حالانکہ ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ اگر خشکی پر رہنے والے حیوانات کو پانی کے اندر رکھا جاے تو وہ تھوڑی دیر میں مر جائیں گے۔ اسی طرح پانی میں رہنے والے جانور مچھلی وغیرہ خشکی پر زندہ نہیں رہ سکتے بے شک بعض دو عنصری جانور خشکی اور پانی دونوں میں بسر کر سکتے ہیں مگر ان ابتدائی کیڑوں کا ان جانوروں کی حالت پر قیاس کرنا غلط ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک جداگانہ نوع ہیں اور ہم پہلے تمام حشرات الارض کو ایک نوع اور ان کی حالت کو یکساں فرض کر چکے ہیں یعنی سب کو خشکی یا پانی میں رہنے والا مان چکے ہیں۔ لہذا مصنف کو اس سوال کا حل کرنا لازم ہے کہ ان کیڑوں کی فطرت میں ایسا اختلاف عظیم جس پر ان کی فنا و بقا کا دار و مدار تھا کن اسباب و علل سے پیدا ہو گیا +

(۲) اسی طرح مسٹر ظریف کی فرضی جنگ (جو کسی فرضی زمانہ میں کیڑوں میں باہم دگر چھڑی تھی) محل نظر ہے۔ جب سب کیڑوں کی حالت اور فطرت ہر طرح یکساں

تھی تو ضرور ہے کہ جنگ کا سامان بھی ان کے پاس یکساں ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کسی کیڑے نے دانتوں سے کام لیا۔ کسی نے پنجوں سے × × × × × کسی نے بازوؤں سے اور کسی نے دماغ سے؟ جو قویٰ یا ہتھیار اس جنگ کے لئے واقعی کارآمد اور مناسب تھے ان سے کیوں نہ کام لیا +

(۳) نیز اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ان کیڑوں کو دانت۔ پنجے۔ بازو۔ دماغ وغیرہ تمام قویٰ اور ہتھیار سب کچھ اسی وقت مل گئے تھے۔ بعد میں درجۂ تکمیل کو پہنچے

(۴) اس سوال کا حل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کیڑوں کو مختلف اعضا کے استعمال کی عقل کیونکر حاصل ہوئی اور کس نے عطا کی +

(۵) علیٰ ہذا القیاس دو مختلف نوعوں میں محض صورت کی مشابہت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ایک دوسرے سے پیدا ہوئی ہیں۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ پہاڑوں میں ایک قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے جسے عام طور پر بچھو گھاس کہتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ برہنہ بدن سے چھوتے ہی ایسی سوزش پیدا ہو جاتی ہے گویا بچھو نے کاٹ لیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بچھو اسی گھاس سے پیدا ہوتا ہے؟ اسی طرح ایک قسم کی پہاڑی لکڑی جس کو مارچوب کہتے ہیں سانپ سے مشابہت رکھتی ہے اب یہ کہنا کہ سانپ اسی لکڑی سے پیدا ہوا ہے علم و عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے ؎

گیرم کہ مارچوبہ کند تن بشکل مار
کو زہر بہر دشمن کو مہرہ بہر دوست

(۶) علاوہ بریں اگر اختلاف انواع کی تشریح کے لئے قانون ارتقاء کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی ذات واجب الوجود کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ مادے کے ذرے خود بخود باضابطہ صورتیں اختیار نہیں کر سکتے بلکہ خود یہ ذرے ایک موجد حکیم کے وجود کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ بحث زیادہ تفصیل کے ساتھ آگے آتی ہے +

حقیقت یہ ہے کہ ایک نوع کا دوسری نوع کے مشابہ ہونا اُس قادر علی الاطلاق کی

کمال حکمت اور قدرت کی دلیل ہی جس نے تمام مخلوقات میں باوجود گوناگوں اختلافات کے خاص خاص مشابہتیں بھی پیدا کیں اور ہر مخلوق کو مختلف قوتیں۔ مختلف خاصیتیں اور مختلف طبیعتیں عطا فرمائیں۔ پس صحیح تعلیم یہی ہی جو قرآن مجید ہم کو دیتا ہی۔ قال اللہ تعالیٰ :- رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ ۳۰ / ۵۲)

اس آیت کا مطلب یہ ہی کہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات وغیرہ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں اُن کی بناوٹ اُن کی خاصیت۔ اُن کی طبیعت اور اُن کی فطرت مختلف اور ہر ایک کی حالت کے مناسب واقع ہوئی ہی۔ یہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی صنعت و حکمت اور قدرت کی دلیل ہی اور یہ بات خود بخود نہیں ہو سکتی۔ لامحالہ ایک صانع و حکیم و قدیر کا فعل ہی۔ چنانچہ علم نباتات اور علم حیوانات کے عالم اس کو خوب جانتے ہیں۔ یہ مضمون جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہی نہایت وسیع ہی۔ پڑھنے والے خود اس پر غور کریں ✦

۲۲۔ اس تنقید کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ پس جب کہ مسٹر ظریف کے کل دعوے بلا ثبوت ہیں اور اسلامی اصول کے خلاف بھی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی تو بظاہر اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے خیالات سے تعرض کیا جائے۔ بلکہ صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ "آپ کے دعاوی بلا دلیل ہیں قابل اعتنا اور لائق التفات نہیں ہیں"۔ مگر چونکہ آجکل الحاد کا سیلاب اُمڈا ہوا ہی اور جس مہذب جماعت کے مسٹر ظریف امام بننا چاہتے ہیں اُس میں محقق کم اور مقلد بیشمار ہیں اور تقریباً سب کے سب فلسفۂ اسلام سے بے خبر۔ اس لئے اندیشہ ہی کہ وہ لوگ مسٹر ظریف کے غیر مدلل اور مہمل دعووں ہی کو قوی دلائل سمجھ کر جادۂ حق سے منحرف نہ ہو جائیں۔ اور سچ مچ "امام عقلیت" کے مقتدی نہ بن جائیں اور ہماری خاموشی عجز پر محمول نہ کی جائے

ان وجوہ سے نہایت ضروری خیال کیا گیا کہ اس سرسری تنقید میں (جو نہایت عجلت میں لکھی گئی ہی) حضرت ظریف کے دعووں کی حقیقت کچھ نہ کچھ کھول دی جائے تاکہ ہر طالب حق کو اُن کے خیالات کی معقولیت و عدم معقولیت کا آسانی سے پتا لگ جائے۔ انشاء اللہ العزیز اسلام کی حقانیت اور ابطال دہریت کے متعلق مفصل مضامین کسی دوسرے موقع پر فرصت میں لکھے جائیں گے +

۲۳۔ مادہ انسان کا خالق نہیں ہوسکتا

اہل سائنس تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ میں علم و عقل اور ادراک و شعور نہیں ہی اور ان کے اصول کے بموجب اتنا بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ مادہ کو کم از کم اپنی ہستی کا بھی علم ہی۔ انسان صاحب علم و عقل اور صاحب ادراک و شعور ہی جسے پروفیسر ظریف بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے مقدمہ کتاب میں اپنے مقصد کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہی:۔ "خلاصہ یہ کہ ہر بات میں علم و عقل کو اپنا رہبر سمجھے جو یہ کہیں مانے اور جو یہ کہیں وہ کرے" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۱)

پس ایک بے علم۔ بے عقل۔ بے شعور اور غیر مدرک چیز (مادہ) سے ایک باعلم باعقل۔ باشعور اور صاحب ادراک وجود (انسان) پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات علم و عقل کے بالکل خلاف ہی۔ پس جب مادہ انسان کا خالق نہ ہوا تو ضرور ہوا کہ اس کا خالق کوئی علیم و حکیم اور صاحب قدرت ذات ہو۔ جس نے اس کو بقدر مناسب علم و حکمت عطا کی۔ اسی کو ہم واجب الوجود۔ قادر مطلق اور خدا کہتے ہیں +

۲۴۔ دنیا مادہ اور اس کی قوت سے مل کر خود بخود نہیں بن سکتی۔

دنیا کی ایک ایک چیز میں حکمت و صنعت کے بیشمار آثار نظر آتے ہیں اور جسقدر غور کیا جاتا ہے نئی نئی حکمتیں اور نئی نئی صنعتیں ظاہر ہوتی چلی جاتی ہیں جن کی کوئی انتہا معلوم نہیں ہوتی۔ اگر دنیا بے عقل اور بے شعور مادہ اور اس کی قوت سے اتفاقیہ طور سے بن جاتی تو اُس میں حکمت و صنعت اور باقاعدگی نہ ہوتی +

۲۵- دفع دخل مقدر | اس کے جواب میں اگر یہ کہا جاے کہ کروڑوں دفعہ کے بننے اور بگڑنے کے بعد دنیا نے یہ باقاعدہ صورت اختیار کی ہی تو یہ محض دعوی ہی دعوی ہی کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے یہ قول ایسا ہی بے بنیاد ہی جیسے کوئی یہ کہے کہ "اسلام اور عقلیت" پروفیسر ظریف کے دل و دماغ اور غور و خوض اور علم و عقل کا نتیجہ نہیں ہی بلکہ بے عقل اور بے شعور مادہ اور اس کی قوت کی بدولت آپ سے آپ یہ کتاب چھپکر اور تیار ہوکر پریس (چھاپہ خانہ) سے نکل آئی ہی اور پریس بھی کتاب کو چھاپنے کے لئے خود بخود بن گیا تھا +

۲۶- دنیا خدا نہیں ہوسکتی | مسٹر ظریف لکھتے ہیں:- "جب دنیا ابدی اور ازلی ہی غیر محدود ہی- دنیا اس قدر خوبصورت ہی- اس قدر مہیب اور عظیم الشان ہی پھر کیا وجہ ہی کہ لوگ اسے خدا نہیں سمجھتے" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۴)

دنیا کے غیر محدود اور ازلی و ابدی ہونے پر کوئی دلیل قایم نہیں کی گئی - لہذا یہ امر غیر مسلم ہی- بیشک دنیا نہایت خوبصورت - نہایت مہیب اور نہایت عظیم الشان ہی مگر یہ اس امر کی دلیل نہیں ہی کہ اس کو خدا مان لیا جاے - بلکہ جس طرح ایک خوبصورت اور عظیم الشان مکان کو دیکھ کر طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہی کہ ضرور اس کا بانی کوئی صاحب علم و عقل ہی- اسی طرح عالم کے اس عظیم الشان کارخانہ کو دیکھ کر جس کی ہر ہر شے میں ہزارہا حکمتیں اور صنعتیں موجود ہیں- فطرۃً یہ خیال دل میں پیدا ہوتا ہی کہ اس کا موجد بدرجہ غایت علم و حکمت وغیرہ صفات کمال سے موصوف ہونا چاہیئے +

۲۷- قدم مادہ کے ابطال پر دلائل | علی ہذا القیاس قدم مادہ کے ابطال پر بہت سی دلیلیں موجود ہیں- دو تین دلیلیں اس مختصر تنقید میں نہایت اختصار کے ساتھ درج کی جاتی ہیں- تفصیل کا یہ محل نہیں:-

پہلی دلیل- اگر تمام تنوعات کی علت (یعنی مادہ مع حرکت کے) قدیم ہو تو مادہ میں

اِن تنوعات کی استعداد بھی ضرور قدیم ہوگی اور اگر استعداد قدیم ہوگی تو وہ تنوعات بھی قدیم ہوں گے۔ مگر یہ تنوعات قدیم نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے حادث ہوتے ہیں۔ اس لئے استعداد بھی قدیم نہ ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ مادہ بھی قدیم نہیں حادث ہی +

دوسری دلیل۔ مادہ کا تمام صورتوں سے مجرد ہوکر پایا جانا ممکن نہیں۔ ضرور ہی کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں پایا جاے۔ بالفاظ دیگر صورت (خواہ وہ کوئی صورت ہو) مادہ کے لئے لازم ہی۔ پس اگر مادہ کو قدیم مانا جاے تو یہ صورتیں بھی جو اُس کے لئے لازم ہیں ضرور قدیم ہوں گی۔ کیونکہ لازم کا اپنے ملزوم سے جدا ہونا محال ہی لیکن یہ صورتیں عدم کو قبول کرتی ہیں اس لئے قدیم نہیں ہوسکتیں حادث ہیں پس مادہ بھی قدیم نہیں ہوسکتا ضرور ہی کہ حادث ہو +

۲۸۔ حدوث مادہ کی بابت سائنس کی جدید تحقیقات

قِدَم مادہ کے ابطال پر اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ مادہ کی ایٹمک تھیوری (نظریہ سالمات) کو تسلیم کرنے کے بعد لکھا گیا ہی۔ مگر پچھلے دسؔ سال کے عرصہ میں ایک نئے عنصر یعنی ریڈیم کے دریافت ہونے سے سائنس کی دنیا میں ایک نیا دور اور انقلاب عظیم شروع ہوا ہی۔ یعنی مادہ کا حادث ہونا مشاہدہ اور تجربہ میں آچکا ہی۔ ریڈیم ایک قسم کی دھات ہی اگر اس کو سپکٹروسکوپ (ایک آلہ کا نام ہی) میں رکھ کر دیکھا جاے تو اس دہات سے روشنی کی کرنیں باہر نکل کر صاف طور پر اُڑتی ہوئی دکھائی دیں گی اور یہ عمل شب و روز نہایت ہی سُرعت کے ساتھ جاری رہتا ہی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ کرنیں جن کو اہل سائنس الیکٹران کے نام سے موسوم کرتے ہیں بجلی کی چنگاریاں ہیں۔ ریڈیم کا مادہ رفتہ رفتہ فنا ہوکر بجلی کی شکل اختیار کرتا رہتا ہی اور پھر نہ معلوم کس حالت میں چلا جاتا ہی۔ یہ کیفیت بعض اور دھاتوں میں بھی مشاہدہ کی گئی ہی۔ اس تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ مادہ اور اُس کا ہر ایک عنصر بجلی کی چنگاریوں سے

بنا ہوا ہی یا یوں کہو کہ ان چنگاریوں کو ایک خاص طریق سے ترتیب دیا جائے تو ریڈیم بن جاتی ہی۔ دیگر طریقوں سے ترتیب دیا جائے تو سونا۔ چاندی۔ لوہا۔ تانبا آکسیجن۔ ہائیڈروجن۔ نائٹروجن وغیرہ عناصر بنجاتے ہیں۔ غرضکہ مادہ کے ذرّوں میں سیکنڈ کے ہر ہزارویں حصہ میں انقلاب عظیم ہوتا رہتا ہی اور وہ بجلی کی شکل میں تبدیل ہوکر کسی نامعلوم حالت میں چلے جاتے ہیں۔۔ ان تجربوں سے مادہ کے فانی اور حادث ہونے پر پوری روشنی پڑتی ہی اور مادہ کی بابت یہ قدیم خیال کہ وہ ایسے چھوٹے ذرّوں سے مرکب ہی جن کو فنا نہیں باطل ہو جاتا ہی +

قدامت مادہ کے دلدادہ اس موقع پر یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ "اس تحقیقات سے صرف سالمات کی تھیوری (نظریہ) باطل ہوئی۔ مادہ کا حدوث تو ثابت نہ ہوا ہم الکٹران یعنی بجلی کے ذرّوں یا چنگاریوں ہی کو مادہ کی نہایت ہی ابتدائی صورت قرار دے کر غیر فانی تسلیم کر سکتے ہیں اس بنا پر مادہ بدستور قدیم اور غیر فانی ہی رہا" اس کا جواب یہ ہی کہ تجربوں نے صاف طور پر یہ بات ثابت کر دی ہی کہ ان بجلی کی چنگاریوں پر مادہ کی تعریف صادق نہیں آتی اور وہ مادہ نہیں بلکہ ایک قسم کی قوت ہیں۔ الغرض جدید تحقیقات نے یہاں تک تو ثابت کر دیا کہ تمام مادی دنیا قوت برقی کی مختلف حالتوں کا مجموعہ ہی جو کبھی کسی صورت میں نظر آتی ہی اور کبھی کسی صورت ہیں۔ یا بالفاظ دیگر جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ انسان غرض تمام کائنات قوت برقی کا جلوہ ہی +

اب شاید مسٹر ظریف یا اُن کے ہم خیال یہ حجت پیش کریں کہ "خیر مادہ کا حدوث ثابت ہو گیا تو کیا ہوا بجلی تو قدیم ہی رہی۔ ہم دنیا کو مادہ اور قوت سے مرکب ماننے کے بجائے صرف بجلی کا کرشمہ کہیں گے اور بجائے خدا کے اُسی کو دنیا کا خالق سمجھیں گے"۔ مگر یہ عذر بھی ناقابل التفات ہی۔ مشاہدہ سے یہ بات

ثابت ہوگئی ہے کہ یہ بجلی کے ذرّے (جو ریڈیم وغیرہ سے خارج ہوتے ہیں) اپنے مرکز سے جدا ہو کر ایسی حالت میں چلے جاتے ہیں کہ اُن کی بابت کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں گئے۔ ہم اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ قوانین برق کی رو سے اس امر کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ بجلی دو قسم کی ہے۔ ایک مثبت دوسری منفی۔ شیشہ کی ڈنڈی کے سرے کو ریشم کے کپڑے پر رگڑنے سے ڈنڈی کے سرے پر ایک خاص قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے جسے مثبت بجلی کہتے ہیں۔ اسی طرح لاکھ کی ڈنڈی کو فلالین کے کپڑے پر رگڑنے سے لاکھ کے سرے پر ایک مختلف قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے اور اسکو منفی بجلی کہتے ہیں۔ مثبت بجلی کے ذرّے[۱] اپنے ہم جنس ذرّوں سے علحدہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہی حالت منفی بجلی کی ہے۔ اس کے ذرّے بھی ایک دوسرے سے الگ رہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر مختلف قسم کی بجلیوں یعنی مثبت اور منفی بجلیوں کے ذرّے ہمیشہ ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔ جب یہ دونوں قسم کے ذرّے آپس میں ملتے ہیں تو پھر نہ مثبت بجلی کا وجود قائم رہتا ہے اور نہ منفی کا۔ دونوں فنا ہو کر ایک ایک خاص طاقت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی حالت ان بجلی کے ذرّوں کی ہے جن سے مادہ یا عناصر مرکب ہیں۔ غرضکہ مثبت اور منفی بجلیاں باہم مل کر دونوں فنا ہو جاتی ہیں اور ایک خاص قوت کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہیں جو نہ مادہ ہے اور نہ بجلی۔ اس سے ثابت ہوا کہ مادہ فنا ہو کر بجلی بن جاتا ہے اور پھر بجلی بھی فنا ہو کر ایک نامعلوم حالت یا قوت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس دلیل سے مادہ بھی فانی ثابت ہو گیا اور بجلی بھی۔

اب باقی رہا یہ سوال کہ "جس قوت میں بجلی تبدیل ہو جاتی ہے اُسی کو قدیم

---

[۱] بجلی کے جزو کو صرف سمجھانے کے لئے "ذرّہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ورنہ اُس کو "مادّی ذرہ" سے کوئی مناسبت نہیں ہے (غلام الحسنین پانی پتی)

مان لینے میں کیا مضائقہ ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قوت بھی قدیم نہیں ہو سکتی
کیونکہ وہ دو قسم کی بجلیوں کی ترکیب کا نتیجہ ہے جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے اور جس
شے میں ترکیب کو دخل ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتی۔ جس طرح رگڑ کی قوت سے دو مختلف
قسم کی بجلیاں پیدا ہوئی ہیں اسی طرح دونوں کے ملنے اور فنا ہونے سے پھر ایک خاص
قوت پیدا ہو گئی۔ پس ثابت ہوا کہ قوت اور بجلی دونوں حادث ہیں قدیم کوئی بھی نہیں +

اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کی کوئی شے مادی ہو یا غیر مادی قدیم
نہیں ہو سکتی۔ قدیم صرف ایک ہی ذات واجب الوجود ہے جو ہر طرح کے تغیر و زوال
سے منزّہ ہے۔ اسی کے ارادہ کے ماتحت ہر مادّی و غیر مادّی شے کام کرتی ہے۔ اُسی نے اپنی قدرت
کاملہ سے سب کچھ پیدا کیا اور بکمال حکمت صنعت سے ان میں ضروری تعلقات پیدا کئے ورنہ ممکن
نہ تھا کہ کم از کم دو ذرّے بھی باہم مل سکیں۔ اسلام کی اصل تعلیم یہی ہے اور یہی توحید ہے۔
جوں جوں علمی تحقیقات مکمل اور وسیع ہوگی اور اُسکی غلطیاں دُور ہوتی جائیں گی۔ اسلام
کی صداقت کے دلائل میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا +

۲۹ ۔ دہریت کے خوفناک نتائج | دہریوں پر اہل مذہب کا ایک بڑا زبردست اعتراض
یہ ہے کہ دہریانہ عقائد کا اثر تمدن و معاشرت کے حق میں سمّ قاتل ہے۔ ایسی آزادی
کے خیالات جن کا میلان اس طرف ہو کہ مرنے کے بعد کسی قسم کی بازپرس نہ ہوگی۔
دُنیا میں سخت فتنہ و فساد اور بدکاری کی بنیاد ہیں۔ اس لاجواب اعتراض کو مسٹر
ظریف سرسری طور پر ٹال جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :۔

"اکثر سُنا جاتا ہے کہ اگر انسان روح ۔ خدا ۔ عاقبت ۔ دوزخ ۔ بہشت وغیرہ کو
نہ مانے تو جو اس کے جی میں آئے گا کرے گا اور بہت بدکار ہو جائے گا۔ جن لوگوں کا
یہ خیال ہے وہ قوانین فطرت سے محض ناواقف ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ بُرے کاموں کی
سزا اور اچھے کاموں کی جزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔ یہی دوزخ اور یہی بہشت ہے

یہیں دوزخ اور یہیں بہشت ہے۔ بدکار شخص کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ بدکار قوم کبھی
خوشحال نہیں رہ سکتی۔ بدکار شخص نہ صرف اپنا دشمن ہوتا ہے بلکہ قوم کا دشمن ہوتا ہے

اگر قوم اسے سزا نہ دیگی تو فطرت قوم کو سزا دیگی" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۵ و ۱۶)

سبحان اللہ! کیا خوب جواب ہے۔ "فطرت قوم کو سزا دیگی"۔ فطرت تو ایک قانون ہے۔ قانون کسی کو سزا نہیں دے سکتا۔ لہذا ایک مقنن کا وجود تسلیم کرنا ضروری ہوا اور وہی خدا ہے۔ جس کے ماتحت قانون فطرت کام کرتا ہے۔ اگر اسی دنیا میں اچھے برے کاموں کی جزا و سزا مل جاتی ہے۔ تو فرمایئے کہ :-

(۱) اگر کوئی عیار۔ ملحد آدمی رات کو نقب لگا کر ایک کروڑ روپئے کے جواہرات بیرن راتھس چائلڈ کے مکان سے نکال کر لے جائے اور اس کی گرفتاری کے لئے پولیس کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوں تو وہ کونسی دنیا میں سزا پائے گا؟ سردست تو اُس کو جنت مل گئی دوزخ کون سی دُنیا میں ملے گی؟

(۲) یا اگر ایک نیک اور پارسا آدمی کو کوئی ظالم بادشاہ عمر بھر کے لئے قید کردے تو یہ دنیا اُس مظلوم کے لئے تو سچ مچ قید خانہ اور دوزخ ہو گئی۔ بہشت اُس کو کونسی دنیا میں ملے گی؟

(۳) یا اگر کوئی بے رحم سفاک زیور کے لالچ سے کسی معصوم بچّے کا گلا گھونٹ کر اُس کو جان سے مار دے اور اس دنیا میں سزا سے بچ جائے تو اُس کو کونسی دنیا میں سزا ملے گی؟ آپ کے خیال کے موافق جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔ لہذا آپ کو اور آپ کے ہم خیالوں کو فردائے قیامت کا کچھ غم نہیں ہو سکتا۔

بر و شادی کن ای یارِ دل افروز		غم فردا نشاید خورد امروز

آپ تو صاف لکھ چکے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے کسی دوسری دنیا میں جزا و سزا نہیں ملتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اعتقاد کی بنیاد پر آپ ہمارے مذکورہ

بالا سوالات کا کیا جواب دینگے ◆

(۷) آپ کا یہ قول کہ بدکار آدمی کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ سو مہربان من جہانتک دنیوی عیش و آرام کا تعلق ہی اکثر عیار۔ بدکار۔ بدمعاش۔ چور۔ ٹھگ خوش نظر آتے ہیں وہ اکثر اوقات قانونی سزا سے بچ جاتے ہیں اور اگر سزا پاتے بھی ہیں تو اُس کو ہیچ سمجھتے ہیں اور عاقبت کی سزا کا خوف تو ان ملحدوں کو ہوتا ہی نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ "ایسا آدمی قوم کا دشمن ہوتا ہی"۔ اوّل تو یہ خیال عام لوگوں کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا اس خیال کی تحریک کے لئے ایک زبردست محرک کی ضرورت ہی اور وہ صرف مذہب ہو سکتا ہی۔ لامذہب ہرگز کوئی ایسا محرک پیش نہیں کر سکتے۔ دوسرے اگر خاص خاص لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو بھی گیا کہ ہماری بدکاری اور بدراہی کی وجہ سے ہماری قوم انجام کار برباد ہو جائے گی تو یہ خیال پختہ بنیاد پر قائم نہ ہونے کی وجہ سے جلد زائل ہو جائے گا۔ اگر کسی ملحد سے کہا جائے کہ تم بدی سے باز رہو ورنہ تمھاری قوم آخر کار تباہ ہو جائیگی تو وہ غالباً یہ جواب دیگا۔ ورنہ کم از کم دل میں خیال کریگا کہ میری بلا سے میں کیوں اپنے عیش و آرام کو ترک کروں۔ قوم کی تباہی کا کوئی مجھ سے مواخذہ اور محاسبہ کرنے والا تو ہی ہی نہیں۔ کیوں خواہ مخواہ اپنی آزادی کو چھوڑ کر بلا اپنے سر لوں ◆

اس موقع پر میں اپنے مضمون "فلسفہ مذہب" سے ایک اقتباس بقدر ضرورت ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں جو امر زیر بحث سے تعلق رکھتا ہی[۱]۔

۲۰۔ دنیوی اعمال پر مذہبی خیالات کا اثر

دنیوی زندگی کی منزلیں طے کرنے کے لئے ایسے قواعد و ضوابط کا مقرر کرنا جو ہماری حالت کے مناسب ہوں اور ہم کو حد اعتدال پر قائم رکھ سکیں نہایت ضروری ہی۔ خود انسانی فطرت اس ضرورت کو محسوس کرتی ہی اور مذہب کا اصل مقصود ان ہی قواعد کا منضبط کرنا اور انکی تعمیل کرانا ہی۔ جیسا ہم پہلے بدلائل ثابت کر چکے ہیں ◆

---

[۱] مضمون فلسفہ مذہب حال ہی میں ضروری ترمیم اور اضافہ کے ساتھ رسالہ البرھان میں چھپا ہی اور دفتر البرھان لاہور سے علیحدہ رسالہ کی شکل میں بھی مل سکتا ہی (غلام الحسنین پانی پتی)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذہبی خیالات کا اثر انسان کے دنیوی افعال پر کیا ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک نو عمر آدمی عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے اداے فرائض زندگی اور مواخذۂ اعمال کا خیال اُسکے دل میں قائم اور مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اسکے مذہبی خیالات کا اثر دنیوی خیالات ضرور پڑے گا۔ گو اُس کو صاف طور پر اس بات کا احساس نہ ہو کہ اُس کے دنیوی اعمال۔ اخروی خیالات کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔ اگر یہ خیال دماغ میں صحیح طور پر جم جاے کہ موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے اور یہ کہ دنیا مزرعۃ الآخرۃ ہے تو اس اعتقاد کا اثر افعال میں ضرور نمایاں ہوگا اور رفتہ رفتہ دنیوی معاملات پر اُخروی خیالات کا گہرا رنگ چڑھ جاے گا۔ یعنی انسان کو بالطبع نیکی سے رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہو جائیگی۔

۳۱۔ دہریوں کے عقائد کا اثر تمدن پر "برعکس اسکے اگر اس نے (اپنے کانشنس کے خلاف) دہریانہ خیالات کو دل میں جگہہ دے لی کہ خدا نہیں ہے۔ عالم آخرت کوئی چیز نہیں۔ جزا و سزا ہیچ ہے۔ انسان اپنے افعال کا جواب دہ نہیں تو ان خیالات کی رو سے قانون اخلاق بالکل فضول اور عبث ٹھہرتا ہے حالانکہ اسکی ضرورت بدلائل عقلیہ ثابت ہو چکی ہے اور لامذہب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ پس جبکہ دہریانہ خیالات اور قانون اخلاق میں تناقض ہے تو دہریوں کو یا تو قانون اخلاق کو تسلیم کر کے اپنے عقائد سے دست بردار ہونا پڑے گا یا اپنے عقائد کو صحیح مان کر قانون اخلاق کو لغو اور فضول کہنا پڑے گا۔ دونوں چیزوں کا فی وقت واحد تسلیم کرنا محال ہے۔ اس تناقض کو صاف طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے ہم لامذہبوں کے خیالات کو عملی دنیا میں لا کر دیکھنا چاہتے ہیں اور اُنکی قلعی کھول کر اُن کا اصلی رنگ دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں تاکہ اُن کا بطلان روز روشن کی طرح صاف نظر آجاے۔ فرض کرو کہ دہریانہ خیالات عام طور پر دنیا میں پھیل جائیں۔ خدا اور عقبیٰ کے خیالات کو خام خیالی سمجھ کر ترک کر دیا جاے۔ دہریئے قوت پکڑ جائیں اور سلطنت کا رُعب بھی ان کے دلوں سے نکل جاے۔ اس وقت کی تمدنی حالت کا تصور کرو اور اپنے ذہن میں اُس کا نقشہ کھینچو۔ کیا ایسی حالت میں قانون اخلاق (جسکی ضرورت کو یہ لوگ

اِس وقت طوعاً و کرہاً تسلیم کرتے ہیں) بالائے طاق نہیں رکھ دیا جائے گا؟ چاروں طرف ایک طوفان بے تمیزی برپا نہیں ہو جائے گا؟ ضرور ایسا ہی ہوگا - اور جو کچھ بد عملی - بدامنی - فتنہ پردازی - خانہ جنگی اور خوں ریزی ہوگی - اِس کا تصوّر کرنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں - مگر خدا کا شکر ہے کہ خالص دہریوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور نہ عام لوگوں پر ان کا اثر ہے اگر خدانخواستہ ان لوگوں کے خیالات عام طور پر پھیل جائیں تو پھر دنیا کی خیر نہیں ؎

ناخن نہ دے خدا تجھے ای پنجہ جنوں	رکھ دے گا ورنہ عقل کے بخیے اُدھیڑ تو

غرض کہ وجود باری اور عاقبت کی ذمہ داری کا خیال جسقدر زیادہ قوی - زیادہ عمیق اور زیادہ کامل ہوگا - اسی قدر زیادہ دنیوی رستہ میں روشنی ہوگی - اور اسی قدر زیادہ اطمینان اور آسانی سے انسان اسکو طے کر سکے گا - مگر یہ خیال جس قدر ضعیف سرسری اور ناقص ہوگا - اسی مناسبت سے راہ زندگی اُس کے لئے تاریک ہوگی - قدم قدم پر ٹھوکریں کھانی پڑیں گی - اور ممکن ہے کہ اُسکو کبھی منزل مقصود کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہو"

۳۳ - مذہب اور اخلاق کا تعلق مذہب اور اخلاق کا تعلق ایسا مضبوط ہے کہ ہرگز منقطع نہیں ہو سکتا - بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اخلاق کی بنیاد مذہب پر ہے - مگر مسٹر ظریف اسکے برخلاف یوں گہر افشانی کرتے ہیں :-

"غرض اخلاق اصول عقلیت اور قوانین فطرت پر مبنی ہے - اسے مذہب کی تائید کی کوئی ضرورت نہیں - مذہب تو بجائے ممد اخلاق ہونے کے مخرب اخلاق ہے - مذہبی آدمی یہ سمجھکر کہ توبہ قبول ہو سکتی ہے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور اگر معاف نہ ہوں تو ان کی سزا کہیں دوسری دنیا میں جس کا اسے دل سے یقین نہیں ہوتا ملتی ہے زیادہ گناہ کرتا ہے - مگر ملحد سمجھتا ہے کہ گناہ کا اثر دائمی ہوتا ہے اسکی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے اور فطرت کبھی معاف نہیں کرتی - اس لئے وہ گناہ کم کرتا ہے - ثبوت اس کا یہ ہے کہ اکثر مذہبی اور متشرع لوگ جھوٹے - مکّار - ریاکار - خودغرض اور گندم نما جو فروش ہوتے ہیں اور اکثر ملحد اور بیدین لوگ سچّے - اچھّے - سیدھے اور صاف دل

ہوتے ہیں"۔ (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۷ و ۱۸)

اِس کے جواب میں سب سے بہتر یہ بات ہی کہ میں اپنے مضمون "فلسفہ مذہب" سے ایک اور اقتباس ناظرین کے سامنے پیش کروں جو عموماً دہریانہ عقاید کے قلع وقمع کے لئے اور خصوصًا مسٹر ظریف کے اس دعوے کے ابطال کے لئے کہ "اخلاق اصول عقلیت اور قوانین فطرت پر مبنی ہی۔ اسے مذہب کی تائید کی کچھ ضرورت نہیں"۔ بالکل کافی ہی۔ وہ اقتباس حسب ذیل ہی:۔

۳۳۔ دہریے سے ایک سوال "اب ہم ایک لامذہب یا دہریے سے سوال کرتے ہیں۔ اگر تمھارے قول کے موافق کوئی خدا نہیں ہی اور نہ نیک و بد اعمال کی بازپرس ہوگی تو تم قانون اخلاق کی کیوں تعمیل کرتے ہو؟ کونسی قوت تم کو نیک کاموں کے بجالانے اور بُرے کاموں سے باز رہنے کی ترغیب دیتی ہی؟ اگر تم مواخذۂ عاقبت سے بری ہو تو پھر اپنی نفسانی خواہشوں کو آزادانہ کیوں نہیں پورا کرتے؟ اگر نیکی و بدی کا ایک انجام ہی اور موت کے بعد دونوں مٹ جائیں گی تو نیکی کو بدی پر ترجیح دینے کی وجوہات کیا ہیں؟ راستبازوں۔ دیانتداروں اور پاکبازوں کو اچّھا کہنے اور جھوٹوں۔ دغابازوں اور بدمعاشوں کو بُرا کہنے کی تمھارے پاس کیا دلیل موجود ہی؟"

۳۴۔ دہریے کی طرف سے سوال مذکور کے تین جواب "جہاں تک میں نے غور کیا ہی ایک دہریے کی طرف سے اس سوال کے تین جواب ہو سکتے ہیں۔ یعنی:۔

(۱) قانون اخلاق ایک فضول اور عبث شے ہی۔ ہم سلطنت کے خوف سے مجبورًا اس پر عمل کرتے ہیں۔ نیکی اور بدی کوئی چیز نہیں ہی۔

(۲) قانون اخلاق پر نظام عالم کا مدار ہی اور اس پر عمل کرنا انسانی فطرت میں داخل ہی۔ مگر اس قانون کا بنانے والا کوئی نہیں ہی۔

(۳) یہ قانون دنیا کے ذی علم اور ذی عقل لوگوں نے بنایا ہی تاکہ دنیا کا انتظام باقاعدہ

چلتا رہے اور اس لئے اسپر عمل کیا جاتا ہی۔ یہ کوئی الٰہی قانون نہیں ہی۔"

۳۵ - پہلے جواب کی لغویت "پہلا جواب تو اس قدر لغو اور مہمل ہی کہ ہم کو اس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ خود بدیہی البطلان ہی۔ کوئی انسان جسکو غیرت وحمیت سے کچھ مس یا عقل وشعور سے کچھ بہرہ ہو۔ جو امن وآسایش سے محبت اور فتنہ وفساد سے نفرت رکھتا ہو۔ ایسا جواب نہیں دے سکتا اور غالباً کسی دہریے کی طرف سے بھی ایسا جواب پیش نہیں کیا جاے گا۔ بشرطیکہ اُس کا دماغ صحیح ہو۔ مگر چونکہ ایسا خیال باطل شاذ و نادر کسی شخص کے ذہن میں ہونا ممکن ہی۔ اس لئے ہم نے اس خیال کی صرف لغویت ظاہر کرنے کے لئے اُس کا ذکر کر دیا ہی۔"

۳۶ - دوسرے جواب کا رد "دوسرا جواب بھی جسمیں قانون اخلاق کی ضرورت تسلیم کرنیکے بعد اسکی تعمیل کو داخل فطرت قرار دیا گیا ہی سراسر نا قابل اطمینان ہی۔

کون نہیں جانتا کہ قانون ہم کو ایک مقنن کے وجود کا پتہ دیتا ہی؟ جب تک کوئی قانون بنانیوالا نہ ہو قانون بن نہیں سکتا۔ لہذا قانون کے ماننے سے مقنن کے وجود کا تسلیم کرنا لازم آتا ہی اور جب اس قانون کا پُر از حکمت ہونا بھی تسلیم کر لیا گیا تو اسکے مقنن کا حکیم وعلیم ہونا بھی لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور جب اسکو نظام عالم کے قائم وبرقرار رہنے کے لئے ضروری مان لیا گیا تو اسکے مقنن کا بے مثل ہونا بھی خود بخود مسلم ہو جائیگا۔ ورنہ وہ ایسا بے مثل قانون جسپر دنیا کے اتنے بڑے کارخانہ کا دارومدار ہی۔ کیونکر بنا سکتا؟ بھلا بے جان اور بے شعور مادہ میں یہ قدرت کہاں؟ مادہ کی نسبت تو اس بات کا بھی ثبوت نہیں دیا جا سکتا کہ اسکو کم از کم اپنی ہی ہستی کا کوئی علم ہی۔ مادہ جیسی اندھی طاقت میں علم وحکمت۔ قدرت وغیرہ صفات کے ثابت کرنے کی کوشش کرنا مصرعہ "کوشش بیفائدہ است وسمہ برابروئے کور"

اس لئے مادہ سے بالاتر ایک ایسے اعلیٰ وجود کا تسلیم کرنا ضروری ہوا جسمیں علم و حکمت۔ قدرت وغیرہ صفتیں بدرجہ کمال موجود ہوں۔ غرضکہ یہ جواب خود دہریوں کے عقیدہ کو

جڑ بنیاد سے اکھاڑتا ہی"

۳۷ - تیسرے جواب کارد "تیسرا جواب جسمیں یہ بیان کیا گیا ہی کہ قانون اخلاق اہل علم عقل کا بنایا ہوا ہی - دوسرے جواب سے بھی زیادہ مہمل ہی - بھلا انسان میں اتنا علم اور اتنی عقل کہاں سے آگئی جب کہ خود انسان کے بنانے والے میں (جو تمھارے قول کے موافق محض ایک قوت ہی) علم و عقل کا نام و نشان بھی نہیں ؟ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[1] یہاں آکر منکر خدا کی سٹی گم ہی اور اسکو کوئی جواب نہیں بن پڑتا - فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ[2] "

۳۸ - قانون اخلاق سے مذہب کی ضرورت پر استدلال "اب تک ہم نے قانون اخلاق کے ضروری ہونے پر مختصر بحث کی ہی اور اس سے ذات واجب الوجود پر دلیل قائم کی ہی - اب ہم کسی قدر تفصیل سے قانون اخلاق ہی کی بنا پر مذہب کی ضرورت ثابت کرینگے - ہر شخص بالطبع اس بات کا طالب رہتا ہی کہ اسکی زندگی دنیا میں امن و امان کے ساتھ بسر ہو - اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے وہ یا تو حالت تجرد کو پسند کرے گا یا حالت تعلق کو - حالت تجرد سے یہ مراد ہی کہ دنیا اور مافیہا سے قطع تعلق کر کے جنگلوں یا پہاڑوں میں جا رہے جہاں نہ خورونوش کا فکر ہو نہ بال بچوں کا غم - بھوک لگی تو جنگل کی نباتات سے کھالی - پیاس لگی تو بہتے چشموں سے بجھالی - بقول شخصے مصرعہ "نے غم دزد و نے غم کالا" سب سے آزاد اور سب سے الگ تھلگ - یہ حالت گو بظاہر کیسی ہی اچھی معلوم ہو مگر منشاے فطرت کے خلاف ہی اوّل تو ہر شخص ایسا کر نہیں سکتا - دوسرے یہ طرز عمل دنیا کی ترقی میں ایک زبردست سدّ راہ ہی نہیں بلکہ اسکی تعمیل سے نظام عالم ہی درہم برہم ہو جائیگا کسی نے خوب کہا ہی کہ جو شخص دنیا سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھتا ہی وہ یا تو فرشتہ ہی یا حیوان - غرضکہ یہ حالت علی العموم انسان کے مناسب حال نہیں ہی -

---

[1] یعنی حقیقت میں یہ بڑی عجیب بات ہی - (ص ۳۸/۴)

[2] یعنی پس وہ منکر خدا حواس باختہ ہو گیا - (بقرہ ۲/۳۴)

اب رہی حالت تعلق یہ البتہ انسان کی ضرورت اور اسکی فطرت سے مناسبت رکھتی ہے کیونکہ وہ فطرۃً مدنی الطبع بنایا گیا ہے۔ باہمی امداد کے بغیر اس کا کام نہیں چل سکتا۔ اس لئے اس کو تعلقات کے بغیر چارہ نہیں۔ مگر ان تعلقات کے فرائض اور ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لئے ایک قانون کی ضرورت ہے جسپر ہر شخص عمل کرے اور ذاتی خودغرضی کی وجہ سے دوسروں کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنے پائے۔ تاکہ ہر شخص کی جان مال اور آبرو محفوظ رہے اور امن قائم رہے۔ اس قانون کو قانون تمدن یا قانون اخلاق کہتے ہیں۔ مذہب کی علت غائی اسی قانون کو دنیا کے سامنے پیش کرنا اور لوگوں سے اسکی تعمیل کرانا ہے۔ غرضکہ مذہب اصل ہے اور تمام امور جو معاشرت اور تمدن سے تعلق رکھتے ہیں اسی کی فرع ہیں۔ پس جب انسان اپنی فطری ضرورتوں کو انجام دینا چاہے گا اس وقت اس کو مذہب کی طرف رجوع کرکے اسکے احکام پر عمل کرنا ضروری ہوگا کیونکہ دنیا کے انتظام کی کل زیادہ تر بلکہ تمامتر مذہب ہی کے ذریعے سے چلتی ہے اور مذہب کے بغیر انسان کا کام نہیں چل سکتا۔"

۳۹۔ مذہب کا اخلاقی تمدنی حصہ علی العموم مسلم ہے

"اوپر کے بیان سے ثابت ہوا کہ جن اخلاقی مسائل۔ قوانین معاشرت اور اصول تمدن پر مذہب زور دیتا ہے اُنکو دہریے اور لامذہب بھی عموماً تسلیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی طوعاً و کرہاً ان اصول و قوانین کی تعمیل کئے بغیر چارہ نہیں۔ مثلاً ماں باپ کی اطاعت کرو۔ استاد کا ادب کرو۔ محسن کا شکریہ ادا کرو۔ دوسروں کے قصور معاف کرو۔ ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ چوری نکرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ غیبت نہ کرو۔ جرم سے زیادہ انتقام نہ لو۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ وغیرہ احکام جو مذہب کی روح و رواں ہیں ان کو لامذہب بھی نظام تمدن کے قیام و استحکام کے لئے ایسا ہی ضروری سمجھتے ہیں جیسا کہ اہل مذہب۔ مذہب کی ضرورت اور لامذہبی پر اس کی فوقیت کی یہ ایک قوی دلیل ہے۔"

۴۰۔ خدا پرست کا عقیدہ پائدار اور لامذہب کا عقیدہ ناپائدار ہوتا ہے

"قانون اخلاق کی ضرورت تو خدا پرست اور منکر خدا

دونوں کے نزدیک مسلم ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ خداپرست اسکو باقاعدہ طور پر مانتا ہے۔ یعنی قانون کے ساتھ مقنن کے وجود اور اسکی عقل وحکمت وغیرہ صفات کاملہ کو بھی تسلیم کرتا ہے اور یہی طریقہ عقلاً صحیح ہوسکتا ہے۔ مگر لامذہب صرف قانون کو مانتا ہے۔ اور مقنن کے وجود کا منکر ہے اسی لئے خداپرست کا عقیدہ مستحکم اور پائدار ہے اور دہریے کا عقیدہ کمزور اور ناپائدار۔
"علیٰ شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ"[1]۔ قصہ کوتاہ لامذہبوں کا عقیدہ ایسا کچا ہے جیسے کچا سوت یا تار عنکبوت "وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ"[2]۔

۴۱۔ نیکی کی بنیاد مذہب پر ہے نہ کہ لامذہبی پر

"اگر نیکی کو ایک عمارت کہا جاے تو مذہب کو اسکی بنیاد کہنا صحیح ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی عمارت کی بنیاد مضبوط چٹان پر رکھنے کی بجاے ریتلی زمین پر رکھی جاے تو وہ قائم نہیں رہ سکتی۔ جلد بیٹھ جاے گی۔ اسی طرح اگر اخلاقی قانون یا نیکی کی بنیاد مذہب کی بجاے کسی اور شے پر رکھی جاے گی تو اسکے استحکام کی بھی کوئی توقع نہیں ہوسکتی"۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایک لامذہب بھی نیکی کرسکتا ہے یا نہیں؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں کرسکتا ہے مگر جیسا اس کا عقیدہ ڈھیلا ڈھالا سست اور بے بنیاد ہوتا ہے ایسی ہی اسکی نیکی اوپری۔ سرسری اور عارضی ہوگی۔ وہ کسی نیک کام کو اس خیال سے نہیں کرے گا کہ یہ ایک حکیم علیم کا حکم ہے جسکی تعمیل میں ہمارا ذاتی فائدہ ہے اور جسکی جزا اس عالم میں نہیں تو دوسرے عالم میں ضرور ملیگی بلکہ اسکی نیکی خودغرضی پر مبنی ہوگی جو ایک کمینہ خصلت ہے۔ وہ یا تو نام ونمود کے خیال سے یا کسی مادی فائدہ کو مدنظر رکھ کر نیکی کرے گا۔ جب تک اسکو کسی کام میں ذاتی منفعت یا دنیوی معاوضہ کی امید نہ ہوگی اس وقت تک وہ اسکو پورا نہیں کرے گا۔ ایثار علی النفس یعنی دوسروں کے فائدہ کو

---

[1] ایسی ڈھانگ کے کنارے پر جو گرنے کے قریب ہو۔ (توبہ $\frac{9}{11}$)
[2] گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر (جالا) ہوتا ہے۔ (عنکبوت $\frac{29}{4}$)

اپنے ذاتی فائدہ پر مقدم رکھنا - ایک اعلیٰ درجے کا اخلاقی وصف ہی جسپر تمام ہادیان مذاہب برابر زور دیتے رہے ہیں - مگر جن اخلاقی فرائض کا تعلق ایثار سے ہی ان کے بجالانے کی توقع ایک دہریے سے ہرگز نہیں ہوسکتی - کیونکہ اس کے نزدیک جو کچھ ہی یہی دنیا ہی - عالم آخرت جہاں نیکی کا اصلی صلہ ملتا ہی اسکے نزدیک کچھ ہی ہی نہیں ۔

علیٰ ہذا القیاس جو فعل کسی قانون مروجہ کی رو سے جرم نہیں مگر اخلاقاً و مذہباً جرم ہی اُس سے بچنے کی بھی اس سے امید نہیں کی جاسکتی - اس لئے اسکے اعمال پر نیکی کا اطلاق صحیح طور پر نہیں ہوسکتا - اُنکی ایسی مثال ہی جیسے سراب جسپر غلطی سے آب کا گمان ہوتا ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہی :-

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا (نور ۳۹)	"اور جو لوگ منکر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے میدان کی چمکتی ہوئی ریت جسکو پیاسا پانی خیال کرتا ہی یہانتک کہ جب اُسکے پاس آیا تو اُسکو کچھ بھی نہ پایا -

دُور است سرِ آب دریں بادیہ ہُشدار	تا غولِ بیاباں نہ فریبد بسرابت

یہی وجہ ہی کہ وہ ایسی نیکی پر (اگر اسکو نیکی کہا جاسکے) کسی جزا کا مستحق نہیں ہی - بلکہ وہ اس گروہ میں شامل ہی جسکی نسبت خبر دی گئی ہی کہ :-

اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (توبہ ۶۹)	"یہی وہ لوگ ہیں کہ دنیا اور آخرۃ میں ان کے اعمال ضائع ہوگئے اور یہی لوگ نقصان میں رہتے "

مگر ایک مذہبی آدمی (سچے مذہبی آدمی) کی حالت اس سے مختلف ہی وہ نیکی کو نیکی سمجھ کر اور انسانی ہمدردی کے خیال سے عمل میں لائے گا - اس کو یہ خیال نہ ہوگا کہ نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کا اسکو کوئی نقد معاوضہ ملتا ہی یا نہیں - یہ خیال اسکی تسلّی کے لئے

کافی ہے کہ "نیکی کر اور کنوئیں میں ڈال" کیونکہ اسکو یقین ہے کہ نیکی کا بدلہ ضائع نہیں جاتا۔ اس دنیا میں نہ سہی دوسری دنیا میں مل جائے گا۔"

۴۲ مسئلہ توبہ مذہب کے مخرب اخلاق ہونے پر پروفیسر ظریف نے یہ دلیل (اگر اسکو دلیل کہا جاسکے) دی ہے کہ "مذہبی آدمی یہ سمجھ کر کہ توبہ قبول ہو سکتی ہے زیادہ گناہ کرتا ہے"۔ پروفیسر صاحب نے توبہ کو صحیح طور پر نہیں سمجھا لہذا ہم توبہ کی حقیقت مختصراً بیان کرتے ہیں **توبہ** کے معنی ہیں گناہ پر پشیمان ہونا قرآن مجید میں توبہ کی بابت یہ حکم ہے :۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَصُوْحًاہ (تحریم ۶۶/۸)	"اے ایمان والو خدا سے (اپنے گناہوں کی) توبہ کرو جو توبہ نصوح ہے۔"

توبہ نصوح کی تفسیر میں ائمہ معصومینؑ سے وارد ہوا ہے کہ :۔

یَتُوْبُ الْعَبْدُ مِنَ الذَّنْبِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ	"بندہ گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ گناہ نہ کرے"

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں :۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ وَالْمُقِیْمُ عَلَی الذَّنْبِ ھُوَ مُسْتَغْفِرٌ مِنْہُ کَالْمُسْتَھْزِیْ ۔	"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور گناہ پر قائم رہنے والا درانحالیکہ وہ زبان سے استغفار کرتا ہو گویا (خدا سے) تمسخر کرتا ہے۔"

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں :۔

لِکُلِّ شَیْءٍ دَوَاءٌ وَدَوَاءُ الذُّنُوْبِ اَلْاِسْتِغْفَارُ ۔	"ہر شے (یعنی ہر مرض) کی دوا ہے اور گناہوں کی دوا استغفار ہے یعنی خدا سے معافی مانگنا۔"

حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ نے ایک دفعہ شہر کوفہ میں منبر پر بیان فرمایا کہ گناہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ گناہ ہے جو بخشا جاتا ہے۔ دوسرا وہ گناہ ہے جو بخشا نہیں جاتا۔ تیسری قسم کا گناہ حالت امید و بیم میں ہے امید ہے کہ بخشا جائے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ نہ بخشا جائے اسکی تشریح حضرت علیؑ نے اس طرح فرمائی کہ جو گناہ بخشا جاتا ہے وہ ایسا گناہ ہے جسکی سزا

اللہ تعالیٰ دنیا میں دے لیتا ہی۔ اُس کا حلم وکرم ایسا اعلیٰ درجہ کا ہی کہ وہ بندہ کو کسی گناہ کی دو مرتبہ سزا نہیں دیتا۔ جو گناہ بخشا نہیں جاتا وہ مظالم ہیں جو بندے ایک دوسرے پر کرتے ہیں (یعنی وہ گناہ جس کا تعلق حقوق العباد سے ہی) تیسری قسم کا گناہ وہ ہی جس کو اللہ تعالیٰ نے خلقت سے پوشیدہ رکھا ہو اور گناہگار کو توبہ کی توفیق عطا کی ہو اور وہ اپنے گناہ سے خائف اور اپنے رب سے مغفرت کا امیدوار ہو پس یہ شخص حالت امید وبیم میں ہی ہم بھی اسکو ایسا ہی سمجھتے ہیں یعنی اُسکے لئے رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں اور اسپر عذاب الٰہی کے نازل ہونے سے ڈرتے بھی ہیں +

اوپر کی تقریر سے یہ نتائج صاف طور پر نکلتے ہیں :۔

(۱) قرآن مجید میں ایسی توبہ کا حکم دیا گیا ہی جسمیں دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم ہو +

(۲) تائب گناہ سے بری ہو جاتا ہی۔ مگر جو شخص محض زبان سے استغفراللہ۔ استغفراللہ کہے اور دل سے توبہ نہ کرے اور جس نے گناہ کے ترک کرنے کا مصمم ارادہ نہ کیا ہو اُسکی توبہ بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ سے مسخرہ پن کرتا ہی +

(۳) توبہ قانون فطرت کے عین موافق ہی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی اسی طرح مرض گناہ کی دوا بھی پیدا کی اور وہ دوا توبہ ہی +

(۴) جس طرح جسمانی امراض کا مادی دواؤں سے علاج کرنا ضروری ہی اسی طرح روحانی امراض کا علاج لازم ہی اور اسکی دوا توبہ ہی اور بس +

(۵) توبہ کرنے کے بعد بھی یہ ضرور نہیں ہی کہ ایک گناہ معاف ہی ہو جاسے بلکہ انسان کو خدا کی رحمت کا امیدوار اور اُسکے عذاب سے خائف رہنا چاہیئے +

(۶) صرف وہی گناہ معاف ہو سکتے ہیں جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقوق العباد کے متعلق جو گناہ ہیں اُنکو خدا معاف نہیں کرتا۔ البتہ جس شخص پر ظلم ہوا ہو اگر وہ معاف کردے اُس وقت اللہ تعالیٰ بھی درگذر فرماتا ہی +

بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرتے وقت کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے اور توبہ شکنی کے بعد توبہ کی جائے تو بھی قبول ہو سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان توبہ کے بھروسے پر گناہ کیا کرے اور دل میں یہ ارادہ رکھے کہ جب چاہونگا توبہ کر لونگا۔ کیونکہ ایسی توبہ درحقیقت توبہ نہیں ہے بلکہ جیسا ہم حدیث کے حوالہ سے اوپر بیان کر چکے ہیں۔ خدا کے ساتھ (معاذاللہ) مسخرہ پن کرنا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس کوئی ایسا تریاق ہو جو ہر قسم کے زہر کو دفع کر سکتا ہو اور وہ اس امید پر زہر کھالے کہ تریاق کے استعمال سے زہر کا اثر دور ہو جائیگا تو ایسے آدمی کو ہر شخص احمق ہی کہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تریاقِ توبہ کے بھروسے پر زہر معصیت سے پرہیز نہ کرے اور یہ خیال کرے کہ میں ہر دفعہ اس تریاق کے استعمال کی بدولت بچ جاؤں گا تو اس کا یہ خیال سراسر لغو اور نامعقول ہو گا۔ پس اس قسم کی احادیث کا مطلب یہ ہے کہ شرائط توبہ کو باقاعدہ بجالانے کے بعد بھی اگر کسی شخص کو ایسی مصیبت پیش آئے جو توبہ شکنی کا باعث ہو تو اسکو خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے جو گناہ بخشے جانے کے قابل ہیں اُن کو بخشنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ یہی مضمون اس حدیث کا ہے جو محمدؐ بن مسلم نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے اور جسکے آخری الفاظ یہ ہیں :-

كُلَّمَا عَادَ الْمُؤْمِنُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ عَادَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَيَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ فَاِيَّاكَ اَنْ تُقَنِّطَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

"جسوقت مومن استغفار اور توبہ سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کی مغفرت کریگا اور بیشک اللہ غفور اور رحیم ہے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے عفو و درگذر کرتا ہے پس خبردار (اے محمد بن مسلم) اہل ایمان کو رحمت الٰہی سے مایوس نہ کرنا"

اب ہم از روئے تعلیم اسلام قبولیت توبہ کی شرائط بیان کرتے ہیں۔ کتاب نہج البلاغۃ میں باب مدینۃ العلم کے ارشادات۔ خطبے اور مقولے جمع کئے گئے ہیں۔

اسلامی اصول وعقائد واخلاق کا فلسفہ اور دینی حقائق ومعارف سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے جناب امیرؑ کے سامنے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ" کہا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "میں خدا سے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں" چونکہ اس کا قول صدق دل سے نہ تھا۔ حضرت بہت ناراض ہوئے اور فرمایا تم جانتے بھی ہو "استغفار" کیا شے ہے اسکے لئے چھ شرطیں ہیں:۔

(اوّل) جو گناہ ہو چکا ہو اسپر ندامت وپشیمانی +

(دوم) اسکو ہمیشہ کے لئے ترک کرنے کا پختہ ارادہ +

(سوم) حقوق مخلوق کو ادا کر کے مظالم سے پاک وصاف ہونا +

(چہارم) فرائض الٰہی کے ادا کرنے کا قصد اور اسکے لئے سعی کرنا +

(پنجم) مال حرام کھا کر جو گوشت پوست بدن پر پیدا ہوا ہے رنج وغم سے اسکو گھلا دینا +

(ششم) جس طرح جسم کو معصیت کی حلاوت کا مزا چکھایا ہے اسی طرح اسکو تلخی طاعت کا مزہ چکھانا۔ ان سب کاموں کے بعد تمکو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہنا چاہیئے +

اس بیان سے صاف واضح ہوگیا کہ دہریوں نے اسلامی توبہ پر جو اعتراض کیا ہے کہ توبہ کا اعتقاد انسان کو معاصی پر دلیر کرتا ہے وہ ناواقفیت اور قلتِ تدبّر پر مبنی ہے +

آخر میں اس قدر اور لکھتا ہوں کہ مسئلہ توبہ قانون فطرت کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ فطرت انسانی سے بڑھ کر کون سچّا گواہ ہو سکتا ہے؟ مسٹر ظریف سے ایام ملازمت میں کسی نہ کسی خطا یا غلطی کا سرزد ہونا اور انکی طبیعت کا اس طرف مائل ہونا کہ انکی خطا معاف کی جاوے ایک یقینی بات ہے کیونکہ فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے اور مسٹر ظریف بھی انسانیت سے خارج نہیں ہیں۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ وہ خطا درحقیقت قابل عفو ہے یا نہیں۔ پس ایسی صاف صحیح اور مطابق فطرت تعلیم کو خلاف عقل کہکر اس پر اعتراض کرنا علم اور عقل کا خون اپنی گردن پر لینا ہے۔ قرآن مجید نے اسکی حقیقت کو کیسے مختصر اور

جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہی۔ قال اللہ تعالیٰ

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (نور ۲۲)	"کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تمھاری خطاؤں کو معاف کرے"

اس کا مطلب یہ ہی کہ تم لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرو۔ اللہ تمھاری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔ اس آیت میں استفہام انکاری کا استعمال یقین کے لئے کیا گیا ہی یعنی عفو گناہ کی خواہش بالضرور تقاضائے فطرت ہی مگر خدا تعالیٰ کے عفو و درگزر سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو اپنے بھائی بندوں کی خطاؤں سے درگزر کرو +

۴۳۔ الحاد اور گناہ کا اعتقاد | مسٹر ظریف لکھتے ہیں کہ "مذہبی آدمی زیادہ گناہ کرتا ہی۔ مگر ملحد سمجھتا ہی کہ گناہ کا اثر دائمی ہوتا ہی۔ اسکی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہی" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۱) مگر صفحہ ۱۴ پر مسٹر ظریف وجود روح کا انکار کر چکے ہیں اور صفحہ ۱۵ پر بھی صاف کہہ چکے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہی تو نطق عقل۔ جذبات وغیرہ سب خصوصیتیں اس سے رخصت ہوجاتی ہیں اور اس کا بالکل خاتمہ ہوجاتا ہی۔

اوّل تو ملاحدہ کے خیال کے موافق گناہ کوئی چیز ہی نہیں۔ گناہ کے معنی ہیں ایک بالاتر صاحب ارادہ ہستی (خدا) کے حکم یا منشاء کے خلاف کرنا۔ ملاحدہ کے نزدیک کوئی ایسا وجود دنیا میں نہیں ہی۔ لہذا ان کے عقیدہ کے موافق کوئی کام گناہ کی فہرست میں داخل نہیں ہوسکتا +

ثانیاً اگر گناہ کا اثر دائمی مانا جائے (جیسا کہ مصنّف نے مانا ہی) تو بقائے روح کا ماننا لازم ہوگا اور اگر فنائے روح مانا جائے تو گناہ کا اثر دائمی نہیں مانا جاسکتا۔ مسٹر ظریف بقائے روح تو ایک طرف سرے سے روح کا وجود ہی نہیں مانتے لہذا اُنکی دونوں رایوں میں صریح تناقض ہی جب تک روح کا وجود نہ تسلیم کیا جائے گناہ اور گناہ کا اثر مہمل اور بے معنی الفاظ ہیں۔ اگر روح ہی نہیں ہی تو گناہ کا اثر کس چیز پر ہوگا۔ کیونکہ مادہ تو باتفاق فلاسفہ ایک بے جان اور بے شعور چیز ہی۔ گناہ کے اثر کا دائمی ماننا درحقیقت اہل اسلام کا اعتقاد ہی نہ کہ ملاحدہ کا۔

کیونکہ اہل اسلام وجودِ روح اور بقاے روح کے قائل ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر مرض گناہ کا علاج نہ کیا گیا تو گناہ کا اثر ضرور دائمی ہوگا۔ قصہ مختصر جب تک روح اور خدا کی ہستی کا یقین نہ ہو گناہ کا عقیدہ محض خیال ہے۔ محال ہے۔ جنون ہے۔ جھوٹ ہے۔ پس جس دلیل سے مسٹر ظریف الحاد کی فوقیت اسلام پر ثابت کرنا چاہتے تھے۔ وہی دلیل اُن کے خلاف پڑی اور اُسی دلیل سے الحاد باطل ثابت ہوگیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک +

۴۴۔ ایک مذہبی آدمی اور ایک لامذہب کے اخلاق کا مقابلہ

"مسٹر ظریف پہلے کہہ چکے ہیں کہ مذہبی آدمی زیادہ گناہ کرتا ہے اور ملحد گناہ کم کرتا ہے۔ اس خیال کی بنا یہ تھی کہ انہوں نے مسئلہ توبہ کو صحیح طور پر نہیں سمجھا تھا۔ ہم اس کا صحیح مفہوم سمجھا چکے ہیں اور حقیقتِ گناہ پر بھی بحث کر چکے ہیں۔ اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ مذہبی آدمی کو دوسری دنیا میں سزا پانے کا دل سے یقین نہیں ہوتا۔ اسکے جواب میں ہم نہایت ادب سے مسٹر ظریف سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے مذہبی آدمیوں کے دلوں کا حال کیونکر معلوم کرلیا۔ وحی والہام سے یا وہم و گمان سے۔ یا کسی اور ذریعے سے۔ ممکن ہے کہ کھُلم کھُلا ملحد بننے سے پہلے جب آپ (برائے نام) مسلمان تھے۔ اسوقت آپکو عالم آخرت کا دل سے اعتقاد نہ ہو۔ مگر آپ براہ مہربانی دنیا کو اپنی حالت پر قیاس نہ کریں۔

پھر دعوے مذکور کا ثبوت بھی کیسا نرالا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "ثبوت اس کا یہ ہے کہ اکثر مذہبی اور متشرع لوگ جھوٹے مکّار۔ ریا کار۔ خود غرض اور گندم نما جَو فروش ہوتے ہیں اور اکثر ملحد اور بیدین لوگ سچّے۔ اچھّے۔ سیدھے اور صاف دل ہوتے ہیں" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۸)

حضرت! یہ ثبوت نہیں ہے یہ بھی آپکے پہلے دعوے کی طرح ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کیا آپ حلف اُٹھاکر (یعنی مادہ جو آپ کا خدا ہے اور عقلیت جو آپ کا دین و ایمان ہے اُن کی قسم کھاکر) ایسا دعویٰ کرسکتے ہیں؟ اور بتلا سکتے ہیں کہ آجتک کتنے مذہبی آدمیوں اور کتنے ملحدوں سے آپ کو سابقہ پڑا ہے اور اکثر مذہبی آدمیوں کو بد اور اکثر ملحدوں کو نیک بتانا آپکے

کون سے مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے +

اسکے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس قسم کے مذہبی آدمیوں کو آپ نے جھوٹا۔ مکار ریاکار۔ خود غرض اور گندم نما جو فروش بتایا ہے ہم ان کو بھی چھپے ملحد سمجھتے ہیں۔ مذہب میں اقرار باللسان کی کوئی وقعت نہیں جب کہ عمل بالکل خلاف ہو۔ قال اللہ تبارک تعالیٰ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (منافقون ۲۸)

"(اے پیغمبر!) جب تمھارے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ بیشک رسول خدا ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم بیشک اُسکے رسول ہو اور اللہ یہ بھی جتا دیتا ہے کہ منافق جھوٹ بولتے ہیں"

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے:۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

"بیشک منافق جہنم کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے"

ہم بآواز بلند کہتے ہیں کہ پابندان مذہب میں ایسے اشخاص نہایت کثرت سے پیش کئے جا سکتے ہیں جن کا مرتبہ راستبازی اور اخلاق کے اعتبار سے ایسا بلند ہے کہ تمام دُنیا کے ملحدوں میں سے کوئی بھی اُن کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مسٹر ظ ایف اس مقابلہ پر آمادہ ہوئے تو ہم ایسے اشخاص کے نام پیش کرنے کو تیار ہیں +

مقصد زندگی کی بحث

۴۵ مقصد زندگی کی بابت مصنف کے سطحی خیالات اور اس بارہ میں قرآن مجید کی تعلیم

انسان کے مقصد زندگی کی بابت مصنف نے جو باتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ علم و فن سیکھے۔ صحبت بد سے بچے۔ ورزش کرے۔ جوانی میں شادی کرے۔ خوب روپیہ جمع کرے" وغیرہ۔ وہ زیادہ تر سطحی خیالات ہیں اور اس سے زیادہ ایک ملحد سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ ایک عجیب بات یہ ہے

کہ انھوں نے بعض ایسے اخلاقی اصول کو بھی تسلیم کیا ہی جو اصول دہریت کے بالکل مخالف واقع ہوئے ہیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے +

انسانی زندگی کا مقصد صرف دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہی یعنی حفظ حقوق - اِن حقوق کو تین بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں - حقوق نفس - حقوق مخلوقات حقوق خالق پھر ان قسموں کی تقسیم و تفہیم اور ان کا تعین ہر کس و ناکس کا کام نہیں - اسکے لئے ضرورت ہی وحی و الہام کی - اگر اور زیادہ اختصار کیا جائے تو مقصد زندگی ایک لفظ میں بیان کیا جا سکتا ہی یعنی اعتدال - مگر ہر کام میں حدِ اعتدال مقرر کرنے اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی توضیح کے لئے بھی وحی و الہام کی ضرورت ہی - یہ بحث بہت طولانی ہی - ہم اسکو کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حفظ حقوق اور اعتدال کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم بہترین تعلیم ہی جو خیال میں آسکتی ہی - اور جو کچھ قرآن مجید نے اس بارہ میں ارشاد فرمایا ہی اسکا عشر عشیر بھی دنیا کی کسی کتاب نے بیان نہیں کیا +

۱۴ - الحاد اور قانون ازدواج | مقصد زندگی کی بحث میں مصنف نے ایک جملہ یہ لکھا ہی :-

"جوانی میں شادی کرے" اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نکاح کرنا ضروری ہی مگر اس سے پہلے وہ انسان کو حیوان زادہ تسلیم کر چکے ہیں - (دیکھو صفحہ ۱۱) اور یہ بھی صاف لکھ چکے ہیں کہ

"انسان نے جس طرح جسم حیوانوں سے پایا ہی اسی طرح دل و دماغ بھی حیوانوں سے اسے ورثے میں ملا ہی - انسان میں کوئی دماغی قوت ایسی نہیں جو حیوانوں میں نہ پائی جاتی ہو فرق صرف اتنا ہی کہ انسان میں اس قوت کی مقدار زیادہ ہی - اور حیوانوں میں کم ہوتی ہی"

(اسلام و عقلیت صفحہ ۱۲)

اور اسی خیال کی تائید میں دوسری جگہہ یہ لکھتے ہیں :-

"دراصل تمام اشیاء دو چیزوں یعنی مادے اور قوت یا جسم و جان سے مرکب ہیں - تیسری چیز جسے روح کہتے ہیں وہ انسان میں ہی نہ کسی اور شے میں ہی" (اسلام و عقلیت صفحہ ۱۴)

اگر انسان اور حیوان کا ایسا گہرا رشتہ ہے کہ بقول مسٹر ظریف انسان حیوان ہی کی اولاد ہے روح یا نفس ناطقہ نہ انسان میں ہے اور نہ حیوان میں۔ علم و عقل وغیرہ صفات جو انسان میں ہیں وہی حیوان میں ہیں۔ فرق صرف کمی بیشی کا ہے۔ یا یوں کہو کہ انسان اور حیوان میں کوئی ما بہ الامتیاز یا حد فاصل نہیں وہ دو جداگانہ نوعیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی نوع ہیں اور فرق براے نام محض قوت کی کمی بیشی کا ہے اور جسم و دل و دماغ سب کچھ انسان کو حیوان ہی سے ورثہ میں ملا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ازدواج کے بارہ میں انسان اپنے مورث اعلیٰ کی تقلید نہیں کرتا۔ اور مثل حیوانات کے آزاد نہیں رہتا۔ یہ فطرت اسکو حیوانات سے وراثۃً کیوں نہیں ملی؟

نیز نکاح کا قانون کہاں سے اخذ کیا جائے گا مثلاً اس بات کا فیصلہ کیونکر ہوگا کہ فلاں عورتوں سے نکاح جائز ہے اور فلاں عورتوں سے حرام۔ یا ہر ایک عورت سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ بھی طے ہونا چاہیئے کہ مرد کسقدر نکاح ایک وقت میں کر سکتا ہے۔ یہ بھی تصفیہ ہونا چاہیئے کہ ایک عورت ایک وقت میں چند آدمیوں سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ غرضکہ نکاح کے متعلق ایک قانون اور ضابطہ کی ضرورت ہے جسمیں اس قسم کے سوالوں کا حل کرنا ضروری ہوگا۔ مگر یہ قانون اور یہ ضابطہ وحی والہام کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ کوئی ملحد۔ کوئی دہری۔ کوئی نیچر پرست کوئی ہوا پرست اسکو مقرر نہیں کر سکتا۔ اگر مسٹر ظریف اپنی علم و عقل پر اعتماد کرکے کوئی ایسا قانون و ضابطہ بنا سکیں اور ہمارے سوالات کو حل کر سکیں تو بسم اللہ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس میدان میں نہیں آ سکتے۔ ایم۔ اے کا امتحان پاس کرنا اور ارسطو۔ افلاطون۔ مل ہربرٹ سپنسر وغیرہ کے فلسفہ کو سمجھ لینا اور بات ہے اور ان سوالات کا حل کرنا اور بات۔

وَلَنِعْمَ مَا قَالَ الْحَافِظُ ؎

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند	نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
نہ ہر کہ طرفِ کلہ کج نہاد و تند نشست	کلاہ داری و آئینِ سروری داند

اگر (بفرض محال) انہوں نے ایسی کوشش کا بیڑا اُٹھایا تو ہم ان کو جواہرات قرآنی سے سرقہ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دینگے (جیساکہ انہوں نے پہلے کیا ہے) بلکہ ان کو اپنے کیسۂ الحاد ہی کے جھوٹے موتیوں سے کام لینا ہوگا۔ ہاں انکو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے فرضی مورث اعلےٰ (حیوان) کا نمونہ بطور سند پیش کریں۔ قوانین فطرت کو ذہنی مدد کے لئے طلب کریں۔ مادہ کو اپنی راہبری کے لئے بلائیں مادہ کی قوت سے ہدایت حاصل کریں وہ جو چاہیں کریں ان سے ہمارے سوالوں کا معقول جواب بن نہیں پڑے گا۔ وہ غالباً اس بات کو ٹال جائیں گے۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس بحث سے کترا کر نکل گئے ہیں۔ وہ مقام یہ ہے:-

"اسکے بعد بدایونی نے اس سے (یعنی ابوالفضل سے) پوچھا کہ مذاہب مشہورہ میں سے آپکو کونسا مذہب پسند ہے۔ ابوالفضل نے جواب دیا کہ فی الحال تو وادیٔ الحاد کی سیر کر رہا ہوں بدایونی نے ہنس کر کہا کہ اگر نکاح کی قید اُٹھا دی جاسے تو بُرا نہ ہوگا جیسا کہ کسی نے کہا ہے

برداشت غل شرع بتائید ایزدی — ازگردن زمانہ۔ علی ذکرہ السلام

ابوالفضل نے اس مہمل بات کا کچھ جواب نہ دیا" (اسلام اور عقلیت صفحات ۲۷، ۳۲۸)

اس اعتراض کے جواب سے ابوالفضل نے اس لئے سکوت کیا کہ درحقیقت ملحدانہ خیالات کو تسلیم کر لینے کے بعد اس کا جواب نہیں ہوسکتا۔ ہمارے ظریف پروفیسر سے بھی باہمہ دعوئے علم و عقل اس کا کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ علم و عقل کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ ایسے اہم سوال کو مہمل بات کہہ کر ٹال دیا جاسے۔ اگر واقعی یہ ایک مہمل بات ہے تو اس کا مہمل ہونا ہی ثابت کیجئے آپ کے مہمل کہہ دینے سے تو کوئی چیز مہمل نہیں ہوجاتی۔

۷۔ شکریہ والدین والدین کا شکریہ ادا کرنا مسٹر ظریف ضروری خیال کرتے ہیں اور اسکو مقاصد زندگی میں شامل کرتے ہیں۔ اور واقعی یہ فرض نہایت اہم ہے۔ قرآن مجید میں اسپر خاص تاکید کی گئی ہے مگر حضرت ظریف نے اسکی عجیب ظریفانہ وجہ بتائی ہے جسکو پڑھ کر بیاختیار ہنسی آتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:- "اپنے والدین کا شکریہ ادا کرے کہ انہوں نے

اُسے پیدا کر کے اسے دنیا کو دیکھنے اور اُسمیں رہنے کا موقع دیا۔" (اسلام و عقلیت صفحہ ۱۹)

اگر درحقیقت والدین کے شکریہ کی یہی وجہ ہی جو مسٹر ظریف نے بیان کی ہو تو حیوانات بدرجہ اولیٰ اس شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ بقول مصنّف "انسان حیوان زادہ ہی" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۱) بعبارت دیگر حیوانات نے انسان کو پیدا کر کے اسے دنیا کو دیکھنے اور اس میں رہنے کا موقع دیا +

یہ امر بدیہی ہی کہ اولاد کی پیدایش والدین کے اختیار میں نہیں ہی۔ والدین چاہتے ہیں کہ لڑکا پیدا ہو۔ لڑکی پیدا ہوتی ہی یا اسکے برعکس ہوتا ہی۔ بعض حالتوں میں نہ لڑکا پیدا ہوتا ہی نہ لڑکی۔ درحقیقت والدین کا وجود بچہ کی پیدایش کے لئے منجملہ بےشمار وسائل کے صرف ایک وسیلہ ہی۔ کون نہیں جانتا کہ شکم مادر میں نطفہ کی حالت سے لیکر پیدایش کے وقت تک نو مہینے کے اندر جو جو مختلف حالتیں بچّے کو پیش آتی ہیں وہ والدین کے ارادہ و اختیار سے بالکل باہر ہیں۔ ان کو کسی ایک بات میں بھی دخل نہیں۔ بلکہ ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کس طرح بچہ کا پتلا تیار ہوا اور کیونکر پیدا ہوا۔ الغرض والدین کو اولاد کا خالق یا پیدا کرنیوالا سمجھنا سخت نادانی ہی۔ بچہ کا خالق وہی ہی جو خود والدین کا خالق ہی اور وہ وہی ہی جس نے زمین آسمان وغیرہ جملہ مخلوقات کو خلق کیا۔ جس نے جملہ ارواح و اجسام اور مادہ عالم کو پیدا کیا۔ جس نے ہر شئے کو ایک اندازہ مناسب کے ساتھ قائم کیا۔ جس نے ہر شئے کی فطرت میں خاص خاص قوتیں اور خاصیتیں ودیعت کیں۔ صاف ظاہر ہی کہ یہ کام نہ انسان کا ہو سکتا ہی اور نہ کسی اور مخلوق کا۔ اس مضمون کی بیشمار آیتیں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ :-

(۱) رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ ۲/۵۲)	"ہمارا پروردگار وہ ہی جس نے ہر شئے کو اُسکی پیدایش بخشی پھر اُسکو (کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے) رستہ بتایا"۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى (اعلیٰ ۱۷)	"(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیا کرو جس نے (کل مخلوقات کو) بنایا اور درست بنایا اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ کیا اور اسکو راہ پر لگا دیا"

۴۸۔ اعتدال اور اسراف | مقصد زندگی کی بحث میں مصنف نے اعتدال کی تعریف اور اسراف کی مذمت کی ہے۔ ہم کو بھی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ واقعی اصلی خوشی اور اصلی سعادت اعتدال ہی میں ہے۔ مگر ہم کو ان کے اس بیرحمانہ خیال سے کہ اگر وہ اسراف کرے گا تو "گولی مار دینے کے قابل ہوگا" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۹) اختلاف ہے + بیشک ہم کو دنیا کی چیزوں سے بقدر اعتدال فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور آپ کا یہ قول کہ "چاہیئے کہ ان چیزوں سے لطف اُٹھائے مگر اسراف نہ کرے۔ کلوا واشربوا ولاتسرفوا" واقعی دل پر نقش کر لینے کے قابل ہے۔ مگر یہ اصول خالص مذہبی اور اسلامی ہے اور جو عربی کا جملہ آپ نے تائیدًا یا سندًا نقل کیا ہے وہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ (دیکھو سورہ اعراف $\frac{\text{پ}}{۲۹}$) اس کو آپ کے ملحدانہ خیالات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس اصول اور دہریانہ خیالات میں بالکل تضاد ہے۔ اس آیت میں تمدن او معاشرت کا وہ زرین اصول بیان کیا گیا ہے کہ آپ جیسے منکر۔ ملحد۔ اور نیچر پرست کو بھی طوعًا وکرہًا اسے ماننا پڑا۔ مگر آپ نے تمام کتاب میں کہیں بھولکر بھی قرآن مجید کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ ماں باپ کا شکریہ ادا کرنا تو آپ نے اس لئے ضروری سمجھا کہ اُنھوں نے آپکو پیدا کر کے دنیا کو دیکھنے کا موقع دیا۔ مگر قرآن مجید نے ایسی اعلیٰ درجہ کی ہدایت آپکو دی اور ایسا اخلاقی اور تمدنی اصول بتایا ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی اصول ہو نہیں سکتا۔ اور جس کے بغیر زندگی سراسر بے لطف بلکہ وبال اور بعض صورتوں میں محال ہے یہانتک کہ جو شخص اس اصول پر عمل نہ کرے وہ آپ کی رائے میں گولی مار دینے کے قابل ہے کیا قرآن مجید کا شکریہ ادا کرنا آپ کا فرض نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ مگر آپ نے اس فرض کے

ادا کرنے میں سخت غفلت کی۔ کیا آپ ابھی اس غفلت کی تلافی کرینگے؟

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ اسی ایک آیت کے حقائق و معارف و نکات بنظر بصیرت دیکھیں اور سمجھیں کہ اس میں دینی و دنیوی صلاح و فلاح کا کیسا مکمل اور جامع روحانی اور اخلاقی دستور العمل بیان کیا گیا ہے تو آپ کے مسلمان ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالی آئندہ کسی موقع پر اس آیت کی تفسیر کیجائے گی +

۴۹ مصنف مسلمانوں کو کھلم کھلا کفر و الحاد کی دعوت دیتا ہے

مسٹر ظریف نہایت صاف الفاظ میں مسلمانوں کو کفر و الحاد کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے آپکو مسلمانوں کا نہایت ہی ہمدرد ظاہر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"مسلمان اگر ایک خوشحال۔ آزاد۔ باعزت اور زبردست قوم بننا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ اوہام پرستی چھوڑیں اور عقلیت کے قائل ہوں۔ خانہ خلیل کو چھوڑیں اور خانہ خدا یعنی نیچر کو مانیں۔ کعبہ کو چھوڑیں اور دہر کے دیر میں چلے آئیں۔ چاہیئے کہ مومن کافر ہو جائیں اور مسلمان ملحد ہو جائیں۔ چاہیئے کہ کفر کا نام ایمان اور الحاد کا نام اسلام ہو جائے" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۱)

اوہام پرستی سے آپ کی مراد توحید۔ رسالت۔ معاد وغیرہ اسلامی عقائد ہیں جو درحقیقت اخلاق۔ تمدن اور معاشرت کی جان ہیں۔ ان کو اوہام کی فہرست میں داخل کرنا مصنف کی بے بصیرتی اور بدنصیبی کی دلیل ہے۔ ان مباحث پر بڑی مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں مسٹر ظریف کو انکی طرف رجوع کر کے اپنے اس وہم کا علاج کرنا چاہیئے +

مسٹر ظریف مسلمانوں کو کفر و الحاد کی دعوت تو دیتے ہی ہیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ آپ کفر کا نام ایمان اور اس الحاد کا نام اسلام رکھتے ہیں!

جناب من! ہم آپ کے اس ایمان اور اسلام سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ آپ ہی کو مبارک ہو ہم شکریہ کے ساتھ آپکی دعوت کو نامنظور اور صرف ایک عرض آپکی خدمت میں کرتے ہیں ذرا غور سے سن لیجئے:۔

ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ آپ ہی کا اعتقاد صحیح ہے۔ مرنے کے بعد انسان کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کوئی اسکی نیکی و بدی کا بازپرس کرنے والا نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں اگر ہم تمام عمر خوف الٰہی کی وجہ سے پھونک پھونک کر قدم رکھیں۔ مذہبی احکام کے پابند رہیں اور آپ بے باکانہ زندگی بسر کریں۔ ہر دم شراب آزادی میں محو اور مست رہیں تو دنیا بہ پچاس۔ ساٹھ برس کی زندگی کے بعد ہمارا آپ کا دونوں کا انجام ایک اور بالکل ایک ہی ہوگا نہ ہم پر کوئی نفرین کرنے والا ہوگا۔ نہ آپ کو کوئی آفرین کہنے والا۔ غرضیکہ ہم ابداً بادناً آپ سے کسی بات میں کم نہیں رہیں گے۔ جو آپ کا حال وہی ہمارا حال اور اگر ہم نے مذہبی احکام کی پابندی کی وجہ سے چند روزہ زندگی میں نہایت خفیف سی زحمت اٹھائی تو یہ کوئی قابل لحاظ بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس زحمت کشی پر اگر ہم قابل انعام و اکرام نہ ہونگے تو قابل عتاب و خطاب بھی نہ ہونگے۔ برعکس اسکے اگر ہمارا اعتقاد صحیح نکلا اور وہ یقیناً صحیح ہے (جیسا کہ ہم بدلائل اسی رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں) یعنی قیامت میں ہم سے اور آپ سے بازپرس ہوئی تو ہم انشاءاللہ نجات پائیں گے مگر آپکی آزادی ضرور رنگ لائے گی۔ اس وقت آپ کیا جواب دیجئیے پروفیسر صاحب! آپ ہماری فکر چھوڑ دیجئے کچھ اپنی فکر کیجئے اور حضرت مفتی صاحب علی اللہ مقامہ کے ان عبرت انگیز اشعار سے عبرت حاصل کیجئے ؎

اِنَّمَا الدُّنْیَا مَتَاعُ لِلْغُرُور	اِنَّمَا الدُّنْیَا بَقَاعُ لِلْمُرُور
اِنَّ دُنْیَاکُمْ لَدَارُ فَانِیَہ	بَلْ جَحِیْمُ ذَاتُ عَیْنٍ آنِیَہ
تو پئے دنیائے دوں سرگشتۂ	وز طریقِ آخرت برگشتۂ
در غم زر می خروشی ای عجب	دین بدنیا می فروشی ای عجب
نیست این لیلیٰ دلا مجنوں مشو	این چہ سودا می کنی مغبوں مشو
سیّدا۔ این دہر نی ماند بماد	ظاہرش نرم است باطن زہر داد
گر بدے دنیا طلا و دین سفال	واں طلا فانی و باقی این سفال

پیشِ عاقل ایں سفال کم بہا	بود بہتر زاں طلاے بے بقا
کیف در حالیکہ عکس ایں ماجراست	نیست دنیا جز سفال و دیں طلاست
حسرت اموال دنیا چند چند	شوق وصل زال دنیا چند چند

۵۰ — دہریت کی تائید میں مصنف کا ایک آیت پیش کرنا اور اُسکی غلط فہمی

مصنف باوجود کفر و الحاد کی محبت کے قرآن مجید کی آیات بھی جابجا اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں جسطرح اعتدال کی تائید اور اسراف کے ابطال میں اُنہوں نے آیہ کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا کو پیش کیا ہی اسی طرح بعض اوقات اپنے ملحدانہ خیالات کی تائید میں بھی قرآن مجید کی آتیں لکھ دیتے ہیں جس سے کم علم اور ناواقف لوگوں کو یہ دھوکا ہو سکتا ہی کہ قرآن کا مطلب (نعوذ باللہ) وہی ہی جو مصنف کا خیال ہی۔ مثلاً کتاب کے شروع ہی میں دنیا کے بتدریج اور خود بخود بننے اور بگڑنے اور اُسکی خوبصورتی عظمت اور ہیبت کا حال لکھکر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "ساری دنیا خدا ہی" چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں :—

"پھر کیا وجہ ہی کہ لوگ اسے (یعنی دنیا کو) خدا نہیں سمجھتے ...... وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ساری دنیا خدا ہی۔ وَ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۵۰)

آیت کا ترجمہ یہ ہی کہ "مشرق و مغرب (یعنی ہر سمت) اللہ ہی کی ہی۔ پس جسطرف بھی تم توجہ کرو اسی طرف اللہ کا رُخ (یعنی سامنا) ہی" مطلب یہ ہوا کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہی کسی خاص سمت یا جہت میں محدود نہیں کسی خاص مقام یا مکان میں موجود نہیں۔ قرآن مجید میں صدہا آیتوں میں یہی مضمون طرح طرح سے بیان ہوا ہی اور کہیں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ تمام دنیا خدا ہی۔ یا انسان خدا کا جزو ہی۔ مگر ہمارے دوست جو عقلیت کے داعی اور علم و عقل کے مدعی ہیں اُنہوں نے اِس آیت کو اپنے اس دعوے کی تائید میں پیش کیا ہی کہ ساری دنیا خدا ہی۔ اگر عقلیت کا یہی مقتضا ہی کہ کسی مذہبی کتاب کا بالکل اُلٹا و غلط مطلب نکالنا جائز ہی تو ہم ایسی عقلیت کو دور ہی سے سلام کرتے

ہیں مسٹر ظریف کو ایسی عقلیت مبارک ہو۔

۱۵۔ مسلمان اور صراط مستقیم | مصنّف کے نزدیک مسلمان صراط مستقیم سے منحرف ہیں کیونکہ وہ اسلامی عقائد کے معتقد ہیں۔ جس شخص کو اصول اسلام کے فلسفہ پر محققانہ نظر کرنیکا کبھی موقع نہ ملا ہو اور جسکی ساری عمر بدقسمتی سے کفر و الحاد ہی کے مطالعہ میں گزری ہو۔ (جیسی پروفیسر ظریف کی حالت رہی ہی) اس سے اسکے سوا اور کیا توقع ہو سکتی ہی؟

قرآن مجید نے صراط مستقیم پر جا بجا بحث کی ہی ایک موقع پر اسکی تشریح اس طرح کی ہی:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

"(ای پیغمبر!) کہدو کہ آؤ میں وہ چیزیں پڑھکر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچّوں کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمکو روزی دیتے ہیں اور انکو بھی اور بیحیائی کے کام جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں نکے پاس تک نہ جاؤ۔ اور جان جسکے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہی اُسکو قتل نہ کرو مگر حق پر۔ یہ وہ باتیں ہیں جنکا حکم تمکو اللہ نے دیا ہی تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طور پر کہ اُسکے لئے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔ اور انصاف کے ساتھ ماپ اور تول پورا تولو۔ ہم کسی شخص پر اُسکی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور گواہی یا فیصلے کے وقت جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو۔ گو (فریق مقدمہ) اپنا قریبی رشتہ دار ہو اور اللہ کے ساتھ جو عہد ہو

كيونکہ وه تمکو خدا کے رستے سے تتر بتر کردینگے۔ یہ وہ باتیں ہیں جنکا خدا نے تمکو حکم دیا ہو تاکہ تم پرہیزگار بنو۔	السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (انعام ٦ / ۱۵۲-۱۵۴)

ان تین آیتوں میں تمدن اور معاشرت کے اصول نہایت دلکش اور موثر پیرایہ میں کمال اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کسی انسانی تصنیف میں یہ خصوصیت پائی نہیں جاتی اور نہ پائی جاسکتی ہے۔ جو اصول ان تین آیتوں میں ذکر کئے گئے ہیں وہ ہر قسم کی ترقی وبہبودی وخوشحالی کی بنیاد ہیں۔ بخوف طوالت ہم یہاں ان آیتوں کی تفسیر نہیں کرسکتے۔ مگر صاحبان عقل سلیم اور اہل دانش وبینش ان آیتوں کے لفظی ترجمہ ہی سے جو اوپر لکھا گیا ہے بہت کچھ روحانی فوائد حاصل کرسکتے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی شخص ہے جو اس تعلیم سے بڑھکر پیش کرسکے۔ آجتک کوئی ملحد۔ کوئی منکر۔ کوئی دہری۔ کوئی مادی۔ کوئی نیچرپرست۔ کوئی ہواپرست قرآن مجید کی زبردست تحدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ ہوسکا اور نہ آئندہ کھڑا ہوسکتا ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ[۵۱]

مقدمہ کتاب کے آخر میں مصنف نے کفر والحاد کی حمایت ایک عجیب وغریب طریقہ سے کی ہے۔ آپ	۵۲ مصنف نے یورپ کی دنیوی ترقی کو الحاد ودہریت کا نتیجہ قرار دیا ہے

فرماتے ہیں :۔ "جس قوم کا مذہب سچا اور درست ہوتا ہے وہی قوم دنیا میں ترقی کرتی ہے ..... فرنگستان جو اسقدر ترقی کر رہا ہے اور اسلامی سلطنتوں کو دبائے ہوئے ہے اسی مذہب کی پیروی کی بدولت ہے" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۲)

تمام کتاب میں اگر کوئی دلیل تلاش کی جائے جو مسٹر ظریف نے اپنے دعووں کی تائید میں پیش کی ہے تو وہ شاید یہی دلیل ہے۔ مگر یہ دلیل قطعی ویقینی نہیں۔ وہمی وظنی ہے

۵۱ "پس اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کرسکوگے تو اُس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو منکروں کے لئے تیار ہے" (بقره ٢ / ٢٢)

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا[۵۱] - یہ ایسی دلیل ہو جیسے کوئی شخص ایک پتھر کو گرم دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ ضرور حرارت آفتاب سے گرم ہوا ہو۔ حالانکہ ممکن ہو کہ آگ وغیرہ سے گرم کیا گیا ہو۔ یا جیسے ایک کاہل اور آرام طلب نوکر نے اپنے آقا کے سامنے دلیل پیش کی تھی آقا نے پوچھا "نوکر! ذرا باہر جاکر دیکھو مینہ برس رہا ہو یا نہیں؟ تو آپ کمرے کے اندر ہی لیٹے لیٹے کیا جواب دیتے ہیں۔ "جناب والا! برس رہا ہو"۔ اور دلیل یہ دی کہ "بلی ابھی باہر سے آئی تھی۔ میں نے جو اسے ٹٹولا تو بھیگی ہوئی تھی"۔ مصنف کا فرض تھا کہ وہ یورپ کی دنیوی ترقی کے علل و اسباب کا پتا لگانے کے لئے نظر بصیرت سے کام لیتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور ایک سرسری اور غلط رائے قائم کی۔

۵۳- اس رائے کی غلطی کے دلائل | یورپ کی موجودہ دنیوی ترقی کی وجہ جو مصنف نے بتائی ہو سراسر ناقابل اطمینان ہو۔ اسپر متعدد طریقوں سے جرح ہو سکتی ہو۔

اوّل تو تمام اہل یورپ لامذہب اور دھری نہیں ہیں۔ بلکہ زیادہ تر مسیحی مذہب کے پیرو ہیں۔ ان میں بھی فرقہ رومن کیتھولک کی کثرت ہو جن کی عبادت میں بُت پرستی کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ دیگر فرقے بُت پرست نہ سہی مگر تثلیث اور الوہیت مسیح کے معتقد ہیں ایک فرقہ موحدین کا بھی پیدا ہو گیا ہو۔ (جو "یونی ٹیرین" کہلاتے ہیں) یہ لوگ مسلمانوں کی طرح تثلیث کے منکر اور وحی و الہام کے قائل ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خدا۔ خدا کا بیٹا یا خدا کا اوتار نہیں مانتے۔ یہ فرقہ اسلام سے قریب تر ہو اور اسکی تعداد بڑھتی جاتی ہو۔ پکّے مسیحی اِن لوگوں کو کافر بتاتے ہیں۔ یورپ میں دھریوں کی تعداد ان لوگوں کے مقابلے میں جو کسی نہ کسی مذہب کے پابند ہیں یقیناً کم ہو۔ اب اگر رومن کیتھولک یا پروٹسٹنٹ یا کلیسائی یونان کے پیرو یا یونی ٹیرین فرقہ کے لوگ یا دیگر مذاہب کے معتقدین جو ممالک یورپ میں آباد ہیں یہ دعوی کرنے لگیں کہ یورپ کی موجودہ ترقی ہمارے خیالات و معتقدات کے

[۵۱] اور بیشک وہم و گمان امر حق کے سامنے کچھ بکار آمد نہیں۔ (نجم ۵۳/۲۹)

شائع ہونے کا نتیجہ ہی تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ حضرت ظریف کس دلیل سے اُن کو خاموش کریں گے اور کس حجّت سے اپنے اس دعوے کو ثابت کریں گے کہ یہ تمامتر ترقی جو دنیا میں ہوئی اور ہو رہی ہے دہریوں کی بدولت ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عیسائی پادری اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جاہل اور ناواقف آدمیوں کے سامنے عموماً اور دنیا کی وحشی قوموں کے سامنے خصوصاً یہی حجّت پیش کیا کرتے ہیں کہ دیکھو صنعت و حرفت ہمارے ہاتھ میں ہے دولت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ حکومت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ریل۔ تار برقی۔ ہوائی جہاز وغیرہ وغیرہ تمام ایجادیں ہماری ہی قوم نے کی ہیں۔ لہذا ہمارا مذہب سچّا ہے۔ اگر نجات چاہتے ہو تو ہمارا مذہب اختیار کرو۔ یعنی سچّے دل سے تین خداؤں کو مانو۔ حضرت مسیحؑ کو خدا۔ خدا کا بیٹا۔ خدا کا اوتار جانو اور یقین کرو کہ وہ تین دن جہنّم میں رہکر تمام مسیحی دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْھَفَوَاتِ)

اسی دلیل کو بہ تبدیل الفاظ ہمارے ظریف پروفیسر پیش کرتے ہیں۔ آپ کے فرمانے کا ماحصل یہ ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی دہریت کی بدولت ہے۔ تمام ایجادیں دہریوں کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ یوروپین سلطنتیں اسی وجہ سے قائم ہیں۔ اہل یوروپ جو تجارت۔ صنعت و حرفت۔ دولت و حکومت وغیرہ میں گوے سبقت لے گئے ہیں سب دہریت کی برکت ہے۔ اگر مسلمان دہریے یعنی توحید و نبوت و معاد وغیرہ ضروریات اسلام کے منکر۔ ہو جائیں تو ایک باعزّت اور خوشحال قوم بن جائیں۔ جب تک مسلمان مذہب کی قید سے آزاد نہ ہوں گے اُس وقت تک یوروپ کے پیچھے سے نہیں نکل سکتے۔ ہمارے نزدیک مسٹر ظریف کی دلیل ایسی ہی کم وزن اور بے اصل ہے جیسی پادری صاحبان کی۔ الغرض دُنیوی ترقی کی یہ وجہ جو ان حضرات نے سمجھی ہے نہیں ہو سکتی۔

۵۴۔ اصول ترقی اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اصول ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک قوم خوشحال اور آباد اور جن پر عمل نہ کرنے سے بدحال اور برباد ہوتی ہے؟

سات آٹھ سال پہلے برادر عزیز مولوی خواجہ غلام الثقلین بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی نے ایک لیکچر موسوم بہ "اصول ترقی" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے کسی اجلاس میں دیا تھا جو اسی زمانہ میں علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھپکر شائع ہو گیا تھا اور سال گذشتہ اپنے سفر عتبات عالیات و ممالک اسلامیہ کے دوران میں ان مطالب پر اضافہ کر کے "اسلام و اصلاح معاشرت" کے عنوان سے یہی مضمون فارسی زبان میں لکھا تھا"...........

اس میں صرف قرآن مجید کی آیات سے ترقی کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عدل و اعتدال۔

(۲) کفایت شعاری۔

(۳) اتفاق و اتحاد۔

(۴) سعی و محنت۔

جسقدر کوئی قوم ان اصولوں پر عمل کرتی ہے اسی قدر دنیا میں کامیاب ہوتی ہے۔ یوروپ کی قومیں بہ نسبت مسلمانوں کے ان اصول پر زیادہ ترکاربند اور مسلمان عموماً ان سے غافل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے اور دوسری قومیں آگے بڑھ گئیں۔ پس جو کچھ الزام ہے وہ مسلمانوں پر ہے نہ کہ اسلام پر۔ اگر اسلام انکو دنیوی ترقی کے اصول نہ بتاتا یا ترقی سے مانع ہوتا اُس وقت اسلام پر اعتراض صحیح ہوتا۔ الغرض مسلمانوں کے تنزل کی اصلی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے اسلام کے ان سیدھے سادے اصولوں کو جو دنیوی ترقی کی بنیاد ہیں پس پُشت ڈالدیا۔ یہ مضمون طویل ہے اور ہم تفصیل کے ساتھ اس پر بحث نہیں کر سکتے۔ لہذا پروفیسر ظریف کو اسی لیکچر کے ملاحظہ کی تکلیف دیتے ہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

۵۵ مسلمانوں کو دنیوی ترقی کی ترغیب	مسلمانوں سے اس موقع پر اتنا عرض کرنا بے محل

نہ ہوگا کہ تمھاری غفلت سُستی و کاہلی اور جہالت و نادانی کی بدولت ملحدوں کو اسلام کے پاک اور مقدس اصول پر تمسخر کرنے اور مضحکہ اڑانے کا موقع ہاتھ آتا ہے ؏

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر	جیسی ہے حالی مسلمانی مری

تمھاری وجہ سے دین بدنام ہوتا ہے۔ قرآن بدنام ہوتا ہے۔ تمھارا دین تم کو ترقی کے بہترین طریقے بتاتا ہے۔ خواب غفلت سے چونکو اور "ہمت مرداں مدد خدا" کے مشہور اور سچے مقولہ پر عمل کر کے کمر ہمت چست باندھو۔ دنیوی ترقی کے میدان میں دوسری قوموں کے دوش بدوش چلنے بلکہ اُن سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اسلام کے خون ناحق کا وبال تمھاری گردن پر ہوگا ؏

ہم قصاص دل ما را مگر از ما طلبند	زانکہ از خون دل آغشتہ ہمیں دامن ماست

آنحضرت صلعم۔ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کا نمونہ تمھارے سامنے ہے۔ اسکو مدنظر رکھ کر واقعی مسلمان بن کر دکھاؤ۔ جب قیامت میں حضرت نبی عربی (فداہ امی وابی) بارگاہ الٰہی میں فریاد کریں گے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (فرقان ۲۵) "اور رسول کہیں گے ای میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو (معاذاللہ) بکواس سمجھ لیا تھا" تو بجز حسرت وندامت کے اور کیا جواب ہوگا۔ اور اُس وقت تمھارا کیا حال ہوگا۔ بطور خود اس بات کو سوچ لو۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف ۲۲)

باب دوم

اسلام اور عقلیت کی تینوں فصلوں پر ایک نظر

۵۶۔ خلاصہ مضامین فصل اوّل | مصنّف نے اپنی کتاب کی پہلی فصل میں عرب اور

عقلیت کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ بیان صفحہ ۲۴ سے ۲۰۲ تک چلا گیا ہے۔ اس میں اعتزال کا آغاز اس کا عروج وزوال۔ فرقہ معتزلہ کے خیالات۔ اس فرقہ کے مشہور اشخاص اور مسلمان فلاسفہ کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ مامون۔ معتصم۔ واثق وغیرہ خلفاے عباسیہ کے عہد کے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ اعتزال کے زوال کے بعد اشعریت کا رواج پانا۔ فلاسفہ۔ اشاعرہ اور معتزلہ کے مذہبی خیالات اور عقائد پوری شرح وبسط کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں۔

۵۷۔ تذکرۂ فلاسفہ وشعرا | اس کتاب میں بہت سے فلسفیوں کے نام بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کندی۔ فارابی۔ بوعلی سینا۔ ابن الہیثم اور بیرونی۔ ان پانچ سرآوردہ اشخاص کے حالات زیادہ تر مفصل لکھے ہیں۔ ان کو ملاحدہ کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے دونوں موخرالذکر فلسفی اگرچہ مشہور نہیں ہیں مگر بقول مسٹر ظریف انہوں نے تقلید کی زنجیر کو توڑ ڈالا۔ بالکل فلسفہ کے ہو رہے۔ بالکل آجکل کے طبعیین کے مانند تھے۔ (یعنی پکے ملحد تھے) لہذا ان کو سب سے بڑھکر کہا گیا ہے۔ کندی نے فلسفہ ومنطق۔ حساب وغیرہ سترہ علوم میں بزبان عربی ۲۶۵ کتابیں لکھی ہیں مصنف نے گیارہ صفحوں پر صفحہ ۱۳۱ سے ۱۴۲ تک ان کی فہرست دی ہے۔ ملحد شعرا میں عربی شاعر ابوالعلاء اور فارسی شاعر عمر خیام کا نام لکھا ہے۔ خیام کی رباعیاں بھی نمونہ کے طور پر گیارہ صفحوں پر (صفحات ۱۸۳ الغایت ۱۹۴) نقل کی گئی ہیں۔ ایسی ایسی جزوی تفصیلوں سے کتاب کا حجم بڑھ گیا ہے +

مصنف نے مسلمان فلاسفہ کی نسبت یہ راے قائم کی ہے کہ وہ عقل کے قائل اور سمع کے منکر تھے .... اور اپنے تئیں مسلمان کہلانے کے لئے عقل وسمع کی تطبیق کر دیتے تھے (صفحہ ۱۲۷) مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ آگے چل کر کندی وغیرہ کی بابت لکھا ہے کہ وہ صوفی تھے۔ الٰہیات کا خبط رکھتے تھے ...... (صفحہ ۱۴۷) اس لحاظ سے انکو ملحد کہنا غلط ہے۔ انہوں نے اسلام کے خلاف یا الحاد کی تائید میں کوئی

کتاب نہیں لکھی۔ عمر خیام نے بھی توحید و رسالت کا انکار کہیں نہیں کیا۔ البتہ مثل دیگر شعراء کے سنجیدگی سے نہیں بلکہ ہزل کے طور پر بے باکانہ اشعار کہہ گزرتا ہے۔ اسکو بھی ملحد نہیں کہہ سکتے۔ ابو العلاء البتہ مسٹر ظریف کی طرح سیدھا سچا ملحد تھا۔

امام غزالی کی بابت مصنف کی رائے

۵۸۔ مصنف نے امام غزالی کو فلسفہ کا بڑا دشمن کہا ہے۔ انکی شان میں سخت بیباکانہ اور بے ادبانہ کلمات لکھے ہیں اور انکی قابلیت کی بابت لکھا ہے کہ بلاد اسلامیہ میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا اور اُن کی مخالفت کی وجہ سے فلسفہ کو بہت نقصان پہنچا۔ امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب تہافۃ الفلاسفہ میں اُس زمانہ کے فلسفیانہ خیالات کا ابطال جس قابلیت کے ساتھ کیا ہے وہ نہایت قابل تعریف ہے۔ پروفیسر ظریف اگرچہ امام غزالی کو بے مثل عالم و فاضل تسلیم کر چکے ہیں۔ تاہم ان کے اس کام کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"صحاب بینش جان سکتے ہیں کہ غزالی نے جوان مسئلوں کا ابطال کیا چنداں بڑا کام نہیں کیا۔ کیونکہ یہ مسئلے سب الٰہیات کے ہیں یعنی قیاسات اور احتمالات ہیں اور قیاسات اور احتمالات کا ابطال کچھ مشکل نہیں۔ نہ فلاسفہ قیاسات کو دیکھ آئے تھے۔ نہ غزالی اسے دیکھ آیا تھا۔ دونوں کے دعوے بے ثبوت تھے۔ خیالی تکے تھے۔ تجربے اور مشاہدہ پر نہ فلاسفہ کے قیاسات مبنی تھے نہ غزالی کے جوابات قائم تھے"۔ (اسلام اور عقلیت صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)

فلاسفہ قدیم اور مسٹر ظریف کے خیالی تکے

۵۹۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فلاسفہ کے دعوی قیاسات اور احتمالات تھے۔ کیونکہ ان کا سرچشمہ وحی و الہام نہ تھا۔ اگر امام غزالی نے فلاسفہ کے مقابلہ میں قیاسی دلائل سے کام لیکر ان کے دعووں کو مشتبہ یا مضمحل کر دیا یا عقلی دلائل کے ذریعے سے ان کے بنیادی اصول۔ قِدم عالم وغیرہ عقائد کو جڑ بنیاد سے گرا دیا۔ تو یقیناً اُن کا یہ کام نہایت قابل تعریف تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ فلسفہ کا کلمہ پڑھتے اور اسکو اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے۔ انکو اپنے خیالات کی لغویت روز روشن کی طرح صاف نظر آ گئی۔

مگر ہم کو حیرت ہے کہ مصنف فلاسفہ کے دعووں کو تو بے ثبوت خیالی تکے اور تجربہ و مشاہدہ کے خلاف بتاتے ہیں اور اپنے دعووں کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اے حضرت ظریف! آپکے اکثر دعوے بھی تو اسی قسم کے ہیں وہ بھی ایسے ہی بے ثبوت۔ خیالی تکے ہیں اور مشاہدہ و تجربہ پر مبنی نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ آپکو فلاسفہ قدیم پر اس قسم کا الزام لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۶۰۔ اسلام اور عقلیت کے مضامین کے متعلق راقم کی رائے

مصنف نے اپنے ذاتی خیالات اور دخل در معقولات کے سوا جو کچھ اس فصل اور دیگر فصلوں میں لکھا ہے واقفیت عامہ کے لئے دلچسپ اور مفید ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی عقائد جو درج کئے گئے ہیں انکی بابت صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ ان فرقوں کے بعض خیالات صحیح ہیں اور بعض غلط۔ بعض اختلافات محض نزاع لفظی ہیں بعض فرقے دور از کار بحثوں میں پڑ کر اصل مقصد سے دور ہو گئے ہیں تاہم کسی فرقہ نے توحید۔ رسالت۔ معاد وغیرہ اصول مذہب سے انکار نہیں کیا۔ اس موقع پر ہم کو ان فرقوں کے خیالات سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ جب ہم اصول اسلام پر بحث کریں گے اُس وقت ان خیالات کی بھی اصلاح کر دی جائے گی۔

۶۱۔ مصنف کا یہ قول کہ قرآن میں تناقض ہے۔ بالکل غلط ہے

فصل اول میں اگرچہ معتزلہ اور اشاعرہ وغیرہ کے حالات اور خیالات قلمبند کئے گئے ہیں (اور یہی اسکا مقصد ہے) تاہم علم و عقل کا مدعی کہیں کہیں دخل در معقولات اور اسلام پر اعتراض کرنے سے نہیں چوکا مثلاً صفحہ ۲۶ پر مسئلہ جبر و قدر کے ذکر میں مسٹر ظریف قرآن مجید میں صریح تناقض کے قائل ہوئے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قرآن مجید نے علی الاعلان تمام دنیا کے سامنے اس امر کا دعوی کیا ہے کہ وہ اختلاف اور تناقض سے بالکل بری ہے۔ بلکہ اس امر کو اسکے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل بتایا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا	"اور اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو

فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا	وہ اسمیں بہت اختلاف پاتے" (نساء ۸۲)

پس اگر کسی شخص کو اپنی کم فہمی اور بے علمی کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات میں تناقض نظر آئے تو اسکو چاہیئے کہ اپنی عقل ناقص پر بھروسا نہ کرے اور تفسیر بالرائے کو چھوڑکر تفسیر کا وہی طریقہ اختیار کرے جو خود قرآن مجید نے بتایا ہی یعنی راسخون فی العلم کی طرف رجوع کرے اور تفسیر القرآن بالقرآن کا پہلو خاص کر مدنظر رکھے۔

جن آیات کے معانی کی بابت مسٹر ظریف کو غلط فہمی ہوئی ہی اور جس وجہ سے وہ قرآن میں صریح تناقض کے قائل ہوے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تفسیر میرے رسالہ معیار الاخلاق میں موجود ہی۔[۵۱]

۳۴۔ مصنف کا یہ خیال کہ قرآن کے جواب میں کتابیں لکھی گئیں محض غلط ہی	اسی فصل کے صفحہ ۴۸ پر ایک نوٹ دیا گیا ہی جسمیں لکھا ہی کہ ابن المقفع اور بشار بن برد نے قرآن کے

مقابلہ میں کتابیں لکھیں۔ اگر مصنف کا منشا اس نوٹ سے یہ ہی کہ قرآن مجید کلام الہی اور معجزہ نہیں ہی بلکہ اسکی مثل انسان بنا سکتا ہی (اور اسکے سوا اُن کا کوئی دوسرا مقصد ہو نہیں سکتا) تو ان کو لازم تھا کہ ان کتابوں کا نام لکھتے۔ ان کی بعض عبارتیں نقل کرتے اور قرآن مجید کی آیات سے مقابلہ کرکے ان کا قرآن مجید سے بڑھ کر یا کم از کم اس کے برابر ہونا ہی ثابت کرتے۔ مگر ہم بآواز بلند کہتے ہیں کہ یہ بات محال ہی۔ مسٹر ظریف کی تو حقیقت کیا ہی دنیا کا کوئی شخص بھی اس کام کا بیڑا نہیں اُٹھا سکتا اور جس نے ایسا ارادہ کیا ہی اس نے منہ کی کھائی ہی۔ پس قرآن مجید کا یہ زبردست چیلنج کہ ہرگز کوئی اس کا مثل نہیں بنا سکتا" منکروں اور ملحدوں کو ہمیشہ شرمندہ اور لاجواب کرتا رہے گا۔ قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (بنی اسرائیل ۸۸)

---

[۵۱] رسالہ معیار الاخلاق دفتر عصر جدید میرٹھ سے ۴ قیمت پر مل سکتا ہی۔

۶۳۔ ابن المقفع وغیرہ نے قرآن کا جواب لکھنا چاہا تھا مگر ایک حرف نہ لکھ سکے

قرآن مجید کے مقابلہ میں کتابیں تو درکنار کسی نے آجتک کچھ لکھنے کی جرأت ہی نہیں کی مسیلمہ کذاب نے چند مہمل اور بے سروپا جملے جوڑے تھے جنکو وہ الہامی کہتا تھا۔ ان جملوں کو مسلمانوں نے آجتک اس لئے محفوظ رکھا ہی تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ وہ اس قسم کے جملوں کو قرآن مجید کے مقابلہ میں با کلام آلہی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا۔ اسکے اکثر جملے فحش اور لغو ہیں۔ غالبًا اسی وجہ سے مسٹر ظریف نے قرآن مجید کا معارضہ کرنے والوں میں مسیلمہ کا نام پیش نہیں کیا۔ جب آنحضرت صلعم کے ہمعصروں کا قرآن کے مقابلہ سے عاجز اور لاجواب رہنا مسلم ہی اور قصائد سبعہ معلقہ قرآن مجید کی اعلیٰ ترین فصاحت و بلاغت کے زندہ گواہ موجود ہیں تو زمانہ مابعد میں قرآن کا جواب لکھنا بدرجہ اولیٰ محال تھا۔

ابن المقفع وغیرہ کی کوئی کتاب قرآن مجید کے مقابلہ میں ہم نے کبھی دیکھی نہ سنی احتجاج طبرسی کی ایک روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ ابن المقفع اور اسکے تین اور ساتھیوں یعنی چار آدمیوں نے ملکر قرآن کا جواب لکھنا چاہا تھا اور باہم یہ صلاح قرار پائی تھی کہ ہر شخص ربع قرآن کا جواب لکھے مگر ایک سطر بھی نہ لکھ سکے اور شرمندہ اور ذلیل ہوکر رہ گئے۔

ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس پوری روایت کا ترجمہ اس جگہہ لکھتے ہیں:۔

"ہشام بن الحکم سے روایت ہی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن ابی العوجا اور ابو شاکر دیصانی زندیق۔ اور عبد الملک بصری۔ اور ابن المقفع یہ چاروں شخص بیت اللہ (خانہ کعبہ) کے پاس جمع ہوئے اور حاجیوں کی ہنسی اُڑانے اور قرآن مجید پر طعن کرنے لگے۔ ابن ابی العوجا نے کہا آؤ ہم چاروں ملکر قرآن کا رد کریں۔ ہر شخص ربع قرآن کا جواب لکھے۔ ہم سال آئندہ اسی جگہہ جمع ہوجائیں اور تمام و کمال قرآن کا جواب لکھ کر لائیں۔ کیونکہ قرآن کا رد کرنا محمدؐ (صلعم) کی نبوت کا ابطال ہی اور آنحضرتؐ کی نبوت کے ابطال سے اسلام باطل اور ہمارا مدعا حاصل ہوجائے گا۔ سبنے اس تجویز سے اتفاق کیا

اور اس بات پر مستغرق ہو کر چلے گئے۔

سال آئندہ چاروں آدمی خانہ کعبہ کے پاس جمع ہوئے اور یوں سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ ابن العوجا نے کہا جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تھے اسی وقت سے میں اس آیت پر غور کر رہا ہوں۔

فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا (یوسف ۱۲)	"تو جب وہ (برادران یوسفؑ) یوسفؑ سے نا امید ہو گئے (کہ یہ ماننے والے نہیں) تو مشورہ کرنے کے لئے الگ ہو بیٹھے"

میری قدرت سے باہر ہے کہ اس آیت کی فصاحت، پر اور اسکے تمام معانی پر کچھ اضافہ کروں مجھے اسی آیت نے دیگر آیات پر غور کرنے سے باز رکھا۔

عبدالملک نے کہا اور میں جب سے تم سے جدا ہوا اس آیت پر غور کر رہا ہوں :۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (حج ۲۲)	"لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے تم اسکو کان لگا کر سنو کہ خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اسکے (پیدا کرنے کے) لئے (سب کے سب) اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین لیجائے تو اسکو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ کیسے بودے ہیں وہ طالب (یعنی بت پرست) اور مطلوب (یعنی بت)"

میں اس آیت کی مثل بنا لانے پر قادر نہیں ہو سکا۔

ابو شاکر نے یہ بات کہی کہ میں جب سے تم سے جُدا ہوا اسی آیت پر غور کر رہا ہوں ؎

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء ۲۲)	"اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔"

اور اس کی مثل بنا لانے پر قادر نہ ہوا۔

ابن المقفع یہ سب باتیں سنکر بولا اے لوگو! یہ قرآن کلام بشر کی جنس سے نہیں ہے میں تو تم سے جدا ہو کر اب تک اسی آیت پر غور و فکر کر رہا ہوں :۔

وَقِیْلَ یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (ہود ۱۲)

"اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے آسمان تھم جا اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور (قوم کا) کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر (جاکر) ٹھیری اور (چاروں طرف عالم میں) منادی کردی گئی کہ ظالم لوگ خدا کے ہاں سے دھتکار دیے گئے"

میں اس آیت کی غایت معرفت کو نہیں پہنچا اور اسکی مثل لانے پر قادر نہ ہو سکا۔

ہشام بن حکم (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ جسوقت وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے ناگاہ حضرت امام جعفر بن محمد الصادق ع اُن کے پاس سے گذرے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا

"(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو اگر آدمی اور جنات جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں پھر بھی اس جیسا نہیں (بنا) لاسکتے اگرچہ ان میں سے ایک کی مدد پر ایک ہو"

پس وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور بولے۔ اگر اسلام کی کچھ حقیقت ہے تو محمد (صلعم) کی وصیت جعفر بن محمد (امام جعفر صادق ع) کے سوا اور کسی شخص کے پاس نہیں آئی۔ بخدا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے آپ کو (امام جعفر صادق ع کو) دیکھا ہو اور ہیبت نہ طاری ہوئی ہو اور حضرت کے رعب سے ہمارے بدن کے رونگٹے نہ کھڑے ہوگئے ہوں۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے عجز کا اقرار کرکے متفرق ہوگئے۔

۴۴۔ خلاصہ مضامین فصل دوم | "اسلام اور عقلیت" کی دوسری فصل کا عنوان ہے

"ہندوستان کے مسلمان سلف اور عقلیت" یہ بحث صفحہ ۲۰۸ سے صفحہ ۳۲۸ تک ہی۔
مصنف نے اس زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہی۔

(اوّل) ترکوں اور پٹھانوں کا زمانہ۔

(دوم) مغلوں کا زمانہ۔

پہلے زمانہ کی بابت بیان کیا ہی کہ اس میں عقلیت اور فلسفہ کا رواج بالکل نہ تھا۔ اس زمانہ کے مشہور مصنفوں۔ ان کی تصانیف اور مشائخ کے حالات قلمبند کر کے ہندی فلسفہ اور مذہب کے متعلق اور بعد ازاں اس زمانہ کے مسلمانوں کے تمدن کا حال لکھا ہی۔ یہ دونوں بیان کوئی چار صفحوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکالا ہی کہ اس زمانہ میں تمدنی ترقی بہت کم ہوئی اور جو کچھ ہوئی وہ فیروز شاہ تغلق اور شیر شاہ سوری کے عہد میں ہوئی۔

دوسرے دور یعنی مغلوں کی حکومت کا حال ایک سو چودہ (۱۱۴) صفحوں میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہی۔ بابر کے عہد سے اورنگ زیب کے عہد تک مغلوں کی ترقی کا زمانہ بتایا ہی ہر ایک بادشاہ کے عہد کا حال جدا جدا لکھا ہی۔ عقلیت کی ترقی کے حالات درج کئے ہیں اکبر بادشاہ کے عہد کے واقعات زیادہ تر تفصیل سے اور دیگر بادشاہوں کے واقعات مختصر لکھے ہیں۔

تیسری فصل میں زمانہ حال اور عقلیت کی بحث صفحہ ۳۲۹	۶۵۔ خلاصہ مضامین فصل سوم

سے شروع ہو کر تقریبًا سو صفحوں پر ہی اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہی۔ اس فصل کا تقریبًا تمام حصہ سرسید احمد خاں بہادر بالقابہ کے حالات اور کارناموں سے پُر ہی۔ سید صاحب موصوف کی مختصر سوانح عمری اور انکی تصانیف کی فہرست دی گئی ہی۔ ان کے مذہبی خیالات توحید۔ نبوت۔ معاد۔ ملائکہ۔ معجزات اور قرآن مجید کی بابت اور اُن کے عقائد کافی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

کتاب کے نو صفحوں میں مولوی چراغ علی کی تاویلات کا بیان ہی۔ مصنف نے انکی علمی

قابلیت اور ان کے تبحر کی بہت تعریف کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ وہ سرسید کے ہمخیال اور ان کی طرح معجزہ کے منکر تھے۔

۶۶۔ سرسید کے تین کارنامے — سرسید کے تین کارنامے خصوصیت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں یعنی (۱) تہذیب الاخلاق کے ذریعہ سے مسلمانوں کے تمدن کی اصلاح۔

(۲) مدرستہ العلوم علیگڈھ میں علوم جدیدہ کی تعلیم کا انتظام۔

(۳) تفسیر القرآن میں قرآن کی علوم جدیدہ سے تطبیق۔

۶۷۔ سید العقلیین — تیسرے کام کو سب سے زیادہ اہم اور ضروری بیان کیا ہے اور اسی کام کی بدولت "عقلیت" کے شاہنشاہ (حضرت ظریف) کی سرکار سے سید صاحب موصوف کو سید العقلیین کا لقب عطا ہوا ہے۔

۶۸۔ سرسید کے اسلام کی بابت مسٹر ظریف کی رائے — یہ معزز لقب جو مسٹر ظریف نے سرسید کو دیا ہے اسکے ساتھ حسب ذیل سند بھی عطا کی ہے۔ "یہ تیسرا کام ان کے سب کاموں سے زیادہ ضروری اور اہم ہے اور اسی کام کی وجہ سے ہم نے انہیں سید العقلیین کا لقب دیا۔ تفسیر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اسلام اور الحاد میں انیس بیس کا فرق ہے اور یہ کہ وہ الحاد کے لب بام پر پہنچنے کو تھے۔ صرف دو چار ہاتھ باقی رہ گئے تھے کہ انکی تاویل کی کمند ٹوٹ گئی" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۳۵۹)

پروفیسر ظریف نے اپنی کتاب میں سینکڑوں ہی آدمیوں کا ذکر کیا ہے مگر اکبر کے بعد (جسکو عقلیت کا بادشاہ کہا گیا ہے) سرسید کے برابر کسی کی تعریف نہیں کی۔ انکو سید العقلیین کا معزز لقب عطا کئے جانے کی وجہ بھی صاف بتادی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ برائے نام مسلمان اور قریب قریب ملحد تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر آج سید صاحب زندہ ہوتے تو حضرت ظریف کی اس ستم ظریفی کی کہانتک قدر کرتے اور کس طرح داد دیتے۔ مگر ہمیں کلام نہیں کہ اس قسم کی تحریریں مسلمانوں کے ایک خاص گروہ کی دل آزاری کا باعث ضرور ہونگی*

باب سوم

دین اکبری اور عقلیت

۶۹۔ عقلیت کا بادشاہ "اسلام اور عقلیت" کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اکبر کے عہد کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ کتاب کا پانچواں حصہ اسی بادشاہ کے کارناموں سے پُر ہے اور یہ حصہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ تمام مشہور علما۔ امرا۔ اور اہل دربار کے حالات۔ علما کے باہمی مباحثے۔ اکبر کا دعویٰ اجتہاد اور ایک نیا مذہب جاری کرنا۔ دین اکبری کے احکام اور اُنکی اشاعت اور مخالفت وغیرہ۔ مباحث کو خوب شرح وبسط سے قلمبند کیا ہے۔ اکبر بادشاہ کی جا بجا بیحد تعریف کی گئی ہے۔ مسٹر لطیف دین اکبری کے ایسے دلدادہ ہیں کہ اُنھوں نے اکبر کو عقلیت کا بادشاہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ ان چند فقروں سے جو کتاب زیر تنقید سے منتخب کئے گئے ہیں ظاہر ہو گا۔

(۱) "اسلام کو منسوخ کیا اور نیا دین ایجاد کیا"۔ (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۶۶)

(۲) "اکبر بڑا محقق تھا۔ اس نے نہ صرف اسلام چھوڑ دیا بلکہ ایک نیا مذہب جو عقل وعلم پر مبنی تھا نکالا"۔ (" صفحہ ۲۳۵)

(۳) "جتنا چرچا عقلیت کا اکبر کے عہد میں تھا کسی مسلمان بادشاہ کے عہد میں نہیں ہوا"۔ (" صفحہ ۲۹۳)

(۴) "اکبر نے نہ صرف اسے (یعنی دین اسلام کو) چھوڑا۔ بلکہ ایک نیا مذہب جو عقل پر مبنی تھا ایجاد کیا"۔ (" صفحہ ۲۹۳)

(۵) "اکبر صرف ہندوستان کا بادشاہ نہ تھا۔ عقلیت کا بھی بادشاہ تھا"۔ (" صفحہ ۲۹۳)

(۶) "اکبر کا دربار ملحدوں کا ملجا وماوا ہو رہا تھا"۔ (" صفحہ ۲۹۴)

(۷) "لامذہب ہونے کے بعد اس نے معمہ دہر پر غور کیا اور نتیجہ نکالا کہ اچھا مذہب یہی ہے

جو عقل و علم پر قائم ہو نہ کہ وحی و الہام پر"۔ (" صفحہ ۲۹۴)

(۸) "اکبر کا بڑا کارنامہ جس کے لئے وہ داد کا مستحق ہے یہ ہے کہ اس نے وحی و الہام سے تعرض کیا اور علم و عقل کی طرف توجہ کی"۔ (" صفحہ ۲۹۵)

(۹) "جوں جوں عقل پرستی اس میں زیادہ آتی گئی تحصیل علم کی خواہش اسکی زیادہ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اگرچہ وہ امی تھا۔ بڑا عالم ہو گیا"۔ (" صفحہ ۳۱۳)

(۱۰) "جو کتابیں پڑھنے کے قابل تھیں مثلاً کیمیائے سعادت۔ اخلاق ناصری۔۔۔۔۔ سب پڑھ لی تھیں"۔ (" صفحہ ۳۱۳ و ۳۱۴)

۷۰۔ اکبر کی مدح سرائی کی وجہ اوپر کی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ظریف نے اکبر کی مدح سرائی صرف اس وجہ سے کی ہے کہ اس نے دین اسلام کو ترک اور بقول ان کے اسکو منسوخ کیا۔ ملحد اور بیدین ہو کر ایک نیا دین ایجاد کیا جو بقول مصنف عقل اور علم پر مبنی تھا۔ اور جسکی وجہ سے انہوں نے خوش ہو کر اکبر کو "عقلیت کا بادشاہ" بنایا ہے۔

اس موقع پر اس ریویو (تنقید) کے پڑھنے والوں کو غالباً دین اکبری کی حقیقت معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا ہوگا۔ اس مذہب کے اصول و فروع اور عقائد کا حال دریافت کرنے کے لئے وہ فکرمند ہوں گے بعض کے دل میں شائد خیال پیدا ہوا ہو کہ یہ نیا دین جسکی تعریف مسٹر ظریف جیسا عقلمند ایسے اعلیٰ درجہ کے الفاظ میں بیان کرتا ہے جن سے بڑھکر خیال میں نہیں آتے۔ ہر ایک اعتبار سے اسلام سے بہتر اور بالاتر ہوگا۔ لہٰذا ہم ناظرین کے اس اشتیاق کو پورا اور ان کے اس تفکر کو رفع کرنے کی غرض سے اس دین کے اصول و احکام اور خیالات و عقائد کا پورا فوٹو بطور خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اس خصوص میں ہم اپنی طرف سے ایک حرف نہیں لکھیں گے۔ بلکہ "اسلام اور عقلیت" ہی سے مطالب منتخب کر کے ان کو بحوالہ صفحات قلمبند کرینگے۔ البتہ آسانی کے لئے ان پر نمبر ڈال دینگے۔

ہم کو اس امر سے کچھ بحث نہ ہوگی کہ وہ واقعات کہاں تک صحیح ہیں۔ یا اُن کے بیان کرنے میں کہاں تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

۷۱ ۔ دین اکبری کے اصول وعقائد و احکام کا خلاصہ

(۱) "اس دین کے بڑے اصول یہ تھے :۔ (۱) وحدت (۲) قِدم عالم (۳) تناسخ (۴) آفتاب پرستی اور آتش پرستی"
(اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۶۶)

(۲) "لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔ اس دین کا کلمہ تھا" (" صفحہ ۲۶۶)

(۳) "اکبر نے اخلاص کے چار درجے مقرر کئے ۔ ترک مال و جان و ناموس و دین۔ جو مرید چاروں باتوں کا عہد کرتا تھا وہ مخلص کہلاتا تھا۔ سب مریدوں نے مخلص ہونا پسند کیا"۔ (" صفحہ ۲۷۰)

(۴) "زردشتیوں کی طرح سال میں چودہ عیدیں منائی جائیں" (" صفحہ ۲۷۵)

(۵) "سجدہ جس کا نام زمین بوس رکھا گیا۔ بادشاہ کے سامنے کرنا فرض ہے" (" صفحہ ۲۷۶)

(۶) "شراب اگر کوئی بطور دوائی کے پیئے اور تھوڑی سی پیئے تو جائز ہے"۔ (" صفحہ ۲۷۶)

(۷) "اگر کوئی امیر شیطان پورہ (یعنی فاحشہ عورتوں کی بستی) میں جانا چاہتا تو اسے بادشاہ سے اجازت لینی پڑتی تھی"۔ (" صفحہ ۲۷۶)

(۸) "گائے کا گوشت حرام اور سور کا گوشت حلال سمجھا جائے"۔ (" صفحہ ۲۷۶)

(۹) "سور اور کتے نجس نہ سمجھے جائیں"۔ (" صفحہ ۲۷۶)

(۱۰) "سوروں اور کتوں کے گلّے محل کے اندر اور باہر رہتے تھے ۔ اُن کو دیکھنا عبادت سمجھا جاتا تھا"۔ (" صفحہ ۲۷۷)

(۱۱) "چیتے اور شیر کا گوشت حلال ہے" (" " ۲۷۷)

(۱۲) "نماز روزہ و حج کی کچھ ضرورت نہیں"۔ (" صفحہ ۲۷۷)

(۱۳) "شیخ ابوالفضل نے ایک رسالہ لکھا جس میں اُس نے ان فرائض کی تضحیک کی۔ بادشاہ

بہت خوش ہوا" (رر صفحہ ۲۷۷ و ۲۷۸)

(۱۴) "بجائے اذان ہونے کے ناقوس بجا کرے" (رر صفحہ ۲۷۷)

(۱۵) "فتحپوری مسجد میں اذان کا ہونا اور نماز کا باجماعت پڑھا جانا موقوف ہو گیا" (رر صفحہ ۲۷۸)

(۱۶) "بادشاہ کو اسلام سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ محمد۔ احمد۔ مصطفےٰ وغیرہ نام سُن نہیں سکتا تھا۔ جن مقربوں کے ناموں میں یہ الفاظ تھے انہوں نے اپنے نام بدل ڈالے" (رر صفحہ ۲۷۸)

(۱۷) "عبادتخانوں کے جلسوں میں نبوت۔ کلام۔ رویت۔ تکلیف۔ تکوین۔ حشر و نشر وغیرہ سب مسئلوں کی ہنسی اڑائی جاتی تھی" (رر صفحہ ۲۷۹)

(۱۸) "بادشاہ نے نوروز بڑی دھوم دھام سے منایا شراب پی" (رر صفحہ ۲۷۹)

(۱۹) "جو کوئی دین اکبری قبول کرتا تھا۔ اسے یہ اقرار نامہ لکھنا ہوتا تھا" .... (رر صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰)

(۲۰) "جو شخص اس جرم کا مرتکب ہوتا تھا (یعنی ذبح حیوانات باوقات مخصوصہ) اس کا گھر لوٹ لیا جاتا تھا" (رر صفحہ ۲۸۴)

(۲۱) "بادشاہ سورج کی عبادت دن رات میں چار بار یعنی صبح و شام و دوپہر اور آدھی رات کو کرتا تھا" (رر صفحہ ۲۸۴)

(۲۲) "عبادت کرتے وقت کبھی اپنے کانوں کو کھینچتا تھا کبھی ان پر آہستہ مکے لگاتا تھا" (رر صفحہ ۲۸۴)

(۲۳) "سورج کے ایک ہزار ہندی نام جپتا تھا" (رر صفحہ ۲۸۴)

(۲۴) "سورج کی شان میں ایک مرتبہ صبح کو اور پھر آدھی رات کو نوبت بجتی تھی" (رر صفحہ ۲۸۴)

(۲۵) "صبح کو عبادت کرنے کے بعد بادشاہ جھروکے میں بیٹھتا تھا۔ ایک جم غفیر ہر روز جھروکے کے سامنے جمع ہوتا تھا۔ اور جب تک بادشاہ کا درشن نہ کر لیتا تھا۔ کھانا پینا اُس پر حرام تھا" (رر صفحہ ۲۸۴)

(۲۶) "رات کو بھی ایک مجمع جھروکے کے سامنے جمع ہوتا تھا اور جب بادشاہ سورج سے

ایک ہزار نام جپ کر اپنی صورت دکھاتا تو وہ اُسے سجدہ کرتے"۔ (ر صفحہ ۲۸۵)

(۲۷) "بادشاہ اور اُسکے چیلے نمازیوں کو بناتے تھے حیّ علیٰ کو یلا تلا کہتے تھے"۔ (ر صفحہ ۲۸۷)

(۲۸) "جوا اور سود جائز ہیں"۔ (ر صفحہ ۲۸۷)

(۲۹) "دربار میں ایک قمار خانہ بنایا گیا"۔ (ر صفحہ ۲۸۷)

(۳۰) "بادشاہ خزانہ کا روپیہ جواریوں کو سود پہ دیتا تھا۔ سود اور شتل کا روپیہ خزانے میں داخل ہوتا تھا"۔ (ر صفحہ ۲۸۷)

(۳۱) "اس کی (یعنی ایک چیلے کی) قبر میں سورج کے رُخ ایک روزن بنایا گیا تاکہ سورج کی روشنی ہر صبح اسکے مُنہ پر پڑے اور اسکے گناہوں کو پاک کرے"۔ (ر صفحہ ۲۸۸)

(۳۲) "دو چیلوں میں جب ملاقات ہو تو بجائے السلام علیکم اور وعلیکم السلام کے ایک کہے اللہ اکبر دوسرا کہے جل جلالہ"۔ (ر صفحہ ۲۸۸)

(۳۳) "اراذل تعلیم حاصل نہ کریں"۔ (ر صفحہ ۲۸۸)

(۳۴) "مردہ قبر میں اس طرح رکھا جائے کہ سر اُسکا مشرق کی طرف ہو اور پاؤں مغرب کی طرف"۔ (ر صفحہ ۲۸۸)

(۳۵) "چیلوں کو چاہئے کہ وہ سوئیں بھی اسی طرح"۔ (ر صفحہ ۲۸۸)

(۳۶) "قصابوں کے ساتھ کوئی شخص کھانا نہ کھائے جو کھائے اُسکے ہاتھ کاٹ دئے جائیں"۔ (ر صفحہ ۲۸۹ و ۲۹۰)

(۳۷) "قبرستان شہر کے مشرق کی طرف بنے"۔ (ر صفحہ ۲۹۰)

(۳۸) "اگر کوئی چیلا مرجائے تو کچھ دانے اناج کے اور ایک اینٹ اسکی گردن میں باندھی جائے اور وہ پانی میں ڈبو دیا جائے اگر پانی نہ ہو تو جلایا جائے یا درخت سے لٹکایا جائے"۔ (ر صفحہ ۲۹۰)

(۳۹) اگر کوئی عورت بدکار ہو یا اپنے شوہر سے لڑا کرتی ہو تو شیطان پورہ (یعنی فاحشہ عورتوں

کی بستی میں اکھیڑی جاے (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۵)

۳۷ - دین اسلام سے مسٹر ظریف کی سخت نفرت اور دین اکبری سے ان کی گہری محبت

یہ ہیں دین اکبری کے احکام اور یہی اسکے اصول و عقائد کا خلاصہ جن کو خود مسٹر ظریف نے نقل کیا ہے اور جن کی توضیح کے لئے کسی حاشیہ یا تفسیر کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ اپنی معقولیت اور عدم معقولیت کے خود گواہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا لغو اور نا معقول مذہب جو ایسا بدیہی البطلان ہے کہ اسکے ابطال کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اسلام جیسے سیدھے - سچے - صاف - روشن اور مطابق فطرت دین کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ علم و عقل کے مدعی۔ عقلیت کے داعی اور "اسلام اور عقلیت" کے مصنف کی عقل پر جس قدر افسوس کیا جاے کم ہے کہ اس نے تمام علم کو بالاے طاق رکھ کر اور عقل کو استعفا دیکر دین اکبری کو علم و عقل پر مبنی اور دین اسلام کو عقل و علم کے خلاف بتایا۔ دین اسلام کے اصول توحید و نبوت و معاد کے اعتقاد کو بے عقلی اور وہم پرستی اور دین اکبری کو جو سراسر مجموعہ لغویات ہے عقل و علم پر مبنی قرار دینا مسٹر ظریف کے سوا کسی دانشمند کا کام نہیں ہو سکتا۔

جس طرح اکبر کو دین اسلام سے یہانتک نفرت ہو گئی تھی کہ جن ناموں میں محمد۔ احمد۔ مصطفےٰ وغیرہ الفاظ آتے تھے اُن کو سُن نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت ظریف کو بھی اسلام سے اس قدر نفرت اور الحاد سے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ وہ دین اکبری کی ترقی پر اظہار مسرت کئے بدون نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ ایک جگہ ۹۹۲ھ کے واقعات میں آپ لکھتے ہیں:-

"اس سال بقواے جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ بہت لوگ دین اکبری میں داخل ہوے اور ڈاڑھیاں

منڈوائیں - بادشاہ نے چیلوں میں اپنی تصویریں تقسیم کیں - چیلوں نے انہیں مرصع غلافوں میں لپیٹ کر اپنے عماموں میں رکھا" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۸۷)

قران مجید کی یہ آیت جو نقل کی گئی ہے وہ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ لوگ جوق جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے تھے - مصنف نے اسکو دین اکبری کی ترقی کے موقع پر خوش ہوکر نقل کیا ہے جس سے بظاہر مسلمانوں کا چڑانا اور اپنی الحاد کی محبت جتانا مقصود ہے -

اسی الحاد کی محبت میں مصنف نے بمفوائے حُبُّكَ الشَّیْ ءَ یُعْمِی وَیُصِمُّ سرمد کی تعریف کی ہے حالانکہ خود ہی لکھا ہے کہ وہ ایک ہندو عورت کے عشق میں پاگل ہوگیا اور سارا مال ومتاع لٹوا دیا - دلی کی گلیوں میں ننگا پھرتا تھا وغیرہ - یہ شخص عالمگیر کے وقت میں قتل کیا گیا تھا - مگر چونکہ مسٹر ظریف خود ملحد ہیں اور سرمد کو بھی ملحد قرار دیتے ہیں لہذا اُس کو شہید کا لقب عطا کیا گیا - (دیکھو صفحات ۳۴۶ - ۳۴۸)

اکبر کے عہد میں مہدویت کے جرم میں شیخ علائی - سبِّ نبی کے جرم میں خضر خاں شروانی اور رفض کے جرم میں میر جنش قتل کیے گئے (دیکھو صفحہ ۲۴۱) مگر ان میں سے کوئی ایسا خوش قسمت نہ تھا جسکو حضرت ظریف کی سرکار سے شہید جیسا معزز لقب عطا کیا جاتا - اس لقب کا مستحق اُن کے نزدیک سرمد کے سوا کون ہوسکتا تھا ؟

اکبر کی بیحد صفت وثنا بیان کرنے کے بعد ایک جگہ نہایت دبی زبان سے مصنّف نے حسب ذیل نکتہ چینی کی ہے	۷۳ - اکبری احکام پر دبی زبان سے مصنف کی نکتہ چینی

"جو احکام اس نے جاری کیے وہ زیادہ تر عمدہ اور معقول تھے - کچھ ان میں سے نامعقول مضحک اور ہندوانہ مذاق کے بھی تھے" (رر صفحہ ۲۹۴ و ۲۹۵)

مصنّف کا یہ خیال کہ اکبری احکام زیادہ تر معقول اور عمدہ تھے ٹھیک نہیں ہے - ہم دیگر سیاسی وانتظامی احکام سے تو یہاں	۷۴ - اکبری احکام کی معقولیت پر بحث

بحث نہیں کرتے ہیں ہم کو صرف دین اکبری کے مذہبی احکام اور اصول وعقائد سے بحث ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ قریب قریب کل نامعقول اور مضحک ہیں اور بجائے علم وعقل کے صراحتہً بے علمی اور بے عقلی پر مبنی ہیں جیسا کہ اُن پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے بعض احکام ضرور ہندوانہ مذاق کے ہیں۔ مگر بہت سے احکام میں دین زردشتی کی جھلک صاف نمایاں ہے جو کسی طرح علم وعقل کے معیار پر پورے نہیں اُتر سکتے۔

۷۵۔ اکبری احکام کی غیر معقولیت کی بابت مصنف کے دو عذر

ایک اور موقع پر اکبر کے نامعقول احکام کی حمایت مصنف نے ان لفظوں میں کی ہے:۔

"جب ہم دیکھتے ہیں کہ اول وہ امی تھا۔ دوسرے وہ بادشاہ تھا اُسے مصالح ملکی کا خیال رکھنا پڑتا تھا تو اسے قابل معافی سمجھتے ہیں"۔ (اسلام اور عقلیت صفحہ ۲۹۵)

یہاں مصنف نے اکبر کی تائید میں دو عذر پیش کئے ہیں یعنی

اولؔ اس کا اُمّی ہونا۔ جس سے ان کی مراد ہی جاہل اور اَن پڑھ ہونا۔

دومؔ مصالح ملکی کا خیال بوجہ بادشاہ ہونے کے۔

مگر یہ دونوں عذر تسلی بخش اور قابل اطمینان نہیں ہیں۔

۷۶۔ اکبر کی جہالت کا عذر ناقابل سماعت ہے

اَن پڑھ یا جاہل ہونے کا عذر تو اس لئے قابل قبول نہیں کہ مصنف اسی کتاب میں (صفحہ ۳۱۳ پر) اکبر کو باوجود امی ہونے کے بڑا عالم مان چکے ہیں اور یہ بھی اقرار کر چکے ہیں کہ:۔

"جو کتاب اسے پسند آتی تھی وہ بار بار اُسکے سامنے پڑھی جاتی تھی"۔ اسکی زیادہ صراحت آگے چل کر کرتے ہیں:۔

"اس طرح جو کتابیں پڑھنے کے قابل تھیں مثلاً کیمیائے سعادت۔ اخلاق ناصری۔ قابوس نامہ۔ گلستاں۔ بوستاں۔ حدیقہ سنائی۔ مثنوی معنوی۔ جام جم۔ شاہنامہ

مثنویات نظامی ۔ کلیات خسرو و خاقانی و انوری وغیرہ سب پہلی تھیں (رر صفحہ ۳۱۲ و ۳۱۳)
اس کے بعد چار صفحوں پران کتابوں کی فہرست دی گئی ہی جو اکبر نے غیر زبانوں (سنسکرت ۔ عربی وغیرہ) سے فارسی میں ترجمہ کرائی تھیں اور یون تو جابجا اکبر کی عقل کے گن گائے ہیں اور اسکو تمام مسلمان بادشاہوں سے بڑھکر بتایا ہی ۔ یہان تک کہ اسکو عقلیت کی حمایت کی وجہ سے ماموں رشید پر بھی فوقیت دی ہی ۔ چنانچہ مصنف کے الفاظ یہ ہیں :۔

"ماموں اگرچہ عقلیت کا بڑا حامی تھا مگر تقلیدی مذہب نہ چھوڑ سکا ۔ اکبر نے نہ صرف اسے چھوڑا ۔ بلکہ ایک نیا مذہب جو عقل پر مبنی تھا ایجاد کیا ۔ اکبر صرف ہندوستان کا بادشاہ نہ تھا عقلیت کا بھی بادشاہ تھا" (رر صفحہ ۲۹۳)

پس جبکہ مسٹر طریف بار بار نہایت زور شور کے ساتھ اکبر کے علم و عقل کو تمام بادشاہوں کے علم و عقل سے بڑھ کر بتا چکے ہیں اور اسکو عقلیت کا بادشاہ تک بنا چکے ہیں تو اب اُسکے نامعقول احکام کی حمایت میں اسکے جاہل ہونے کا عذر پیش کرنا سراسر نامعقول ہی ۔ اکبر نے وحی و الہام سے تعرض کیا ۔ اسلام کو ترک کر کے نیا دین ایجاد کیا تو مسٹر طریف خوشی کے مارے بیخود ہو گئے ۔ اور لگے اسکے علم و عقل کی تعریفوں کے پل باندھنے جب غفلت سے ذرا ہوشیار ہوے اور اسکے احکام کی نامعقولیت کا خیال آیا تو (بجاے اسکے کہ اپنی راے پر نادم و پشیمان ہوتے) اکبر کی جہالت کا ایک فضول عذر پیش کر دیا "عقلیت" کے پروفیسر کا ایسی متناقض باتیں کرنا واقعی ایک عجیب مضحکہ ہی ۔ الغرض تمام اگلی پچھلی تحریروں کو رد کر کے اکبر کے جاہل اور ان پڑھ ہونے کا عذر پیش کرنا سراسر عذر لنگ ہی ۔ افسوس سہ

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا	کار طفلاں تمام خواہد شد
بے ہے مصالح ملکی کا عذر بھی ناقابل قبول ہو	اسی طرح مصالح ملکی کا عذر بھی عذر گناہ بدتر از گناہ ہی

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس بات کو مان لیا جاے کہ ہندوانہ مذاق کے احکام ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے جاری کئے گئے تھے۔ جیسا کہ مسٹر ظریف کا خیال ہی تو بھی جو احکام دین زردشتی سے تعلق رکھتے ہیں (اور ایسے احکام کچھ کم نہیں ہیں) ان کے جاری کرنے کے لئے کون سی پولیٹکل وجہ ہوسکتی تھی؟ اگر بالفرض ہندوؤں کی تالیف قلوب ضروری تھی تو زردشتیوں کی تالیف قلوب کی کوئی ضرورت نہ تھی +

اسکے علاوہ ایک خاص فرقہ کے مذاق کا لحاظ رکھنا اور دیگر فرقوں کے جذبات کو نظرانداز کر دینا مصالح ملکی کے سراسر خلاف ہی۔ مثلاً اگر مان لیا جاے کہ گاے اس لئے حرام کی گئی تھی کہ ہندو اسکو ایک مقدّس جانور مانتے ہیں تو سور کے حلال کرنے میں کونسی پولیٹکل مصلحت مخفی تھی۔ ایسے احکام بجز اسکے کہ مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہوں اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتے تھے +

قطع نظر ان سب باتوں کے راستی۔ حق اور انصاف کا خون کر کے پالٹیکس (مصالح ملکی) کے قصر میں پناہ لینا بجاے خود ایک نامعقول حرکت ہی۔ ایک راستباز اور سچّے مذہبی آدمی کا یہ کام نہیں ہی۔ گو دہریوں اور ملحدوں کا یہی دین و ایمان ہو +

۸۷ - دین اکبری کی بنیاد بے عقلی پر تھی۔ نہ کہ عقل پر

الغرض اس دین جدید کی ایجاد بے عقلی پر مبنی تھی نہ کہ عقل پر اس قسم کے نامعقول اور مضحک احکام اس امر کی دلیل ہیں کہ اکبر نے علم و عقل سے کام نہیں لیا۔ مسٹر ظریف نے اکبر کو ملاحدہ کا طرفدار ہو جانے کی وجہ سے "طالب حق" اور "بڑا النقاد" کہا ہی (" صفحہ ۲۴۸)

مگر طلب حق اور تحقیق و تنقید کی شان یہ ہی کہ کسی بات کے مَالَہٗ وَمَا عَلَیہ پر ایک غائر نظر ڈالی جاے بعدازاں اسکے صحیح یا غلط ہونے کا حکم لگایا جاے۔ مگر اکبر کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ صورت معاملہ برعکس تھی۔ وہ بے سوچے سمجھے کبھی ایک برہمن کا شاگرد ہوتا ہی جسکی چارپائی کو رات کے وقت محل کی دیوار سے ایک رسّی کے

ذریعہ کھینچ لیا جاتا ہی اور بادشاہ گھنٹوں اُس سے بُت پرستی کے طریقے سیکھتا ہی (صفحہ ۲۶۰) کبھی بیربر کا شاگرد بن کر آفتاب کو مظہر تامہ اور آگ۔ پانی۔ پہاڑ۔ درخت۔ گائے وغیرہ کو خدا کے مظہر اور قابل عبادت مان لیتا ہی۔ گائے کے گوبر تک کو قابل عبادت سمجھتا ہی کبھی پرتگال پادریوں کا شاگرد بنتا ہی۔ (ر صفحہ ۲۶۱) کبھی پارسیوں سے آتش پرستی کے آداب سیکھتا۔ محل میں آتش خانہ بنواتا اور ہندو بیگمات کو خوش کرنے کے لئے ہوم کی رسم ادا کرتا ہی (ر صفحہ ۲۶۲)

۷۹ — اکبر نہ محقق تھا اور نہ نقاد بلکہ سریع الاعتقاد تھا

ان واقعات اور نیز دیگر واقعات سے جن کو ہم نے بخوف طوالت ترک کر دیا ہی۔ یہ نتیجہ صاف طور پر نکلتا ہی کہ اکبر نہ تو محقق تھا اور نہ نقاد۔ بلکہ مذہبی اعتبار سے بالکل خام اور ضعیف الاعتقاد تھا۔ ہم کو یقین ہی کہ ہر ایک سلیم الطبع انسان ہماری اس رائے سے اتفاق کریگا اور مسٹر ظریف بھی عقل سلیم سے کام لیں گے تو ان کو بھی ہماری رائے سے اتفاق کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ مگر مشکل یہ ہی کہ انہوں نے اکبر کی حمایت کا جامہ پہن لیا ہی اور اکبر کے ملحد ہو جانے کی وجہ سے اسکی ایک ایک ادا پر جان دیتے ہیں۔ اسلام کا ترک کرنا اُن کے نزدیک لاکھ خوبیوں کی ایک خوبی ہی۔ اس خوبی کے ہوتے انہیں اکبر میں کوئی عیب اول تو نظر ہی نہیں آتا اور اگر احیاناً نظر آتا بھی ہی تو تاویل کرکے اُسکو چھپا دیتے ہیں۔ سچ کہا ہی ؎

ہر آں عاقل کہ با مجنوں نشیند	نگوید جز حدیث حُسن لیلےٰ

۸۰ — مسٹر ظریف کے اندرونی خیالات کا فوٹو

پروفیسر صاحب! آپ اپنے دلی خیالات کھُلم کھُلا کیوں نہیں بیان کر دیتے۔ ایچ پیچ کی کیا ضرورت ہی۔ صاف کہہ دیجئے کہ اکبر کے الحاد کی وجہ سے ہم کو اُسکی ساری ادائیں پسند ہیں۔ اگر اُس نے صوفیوں پر عام طور پر ظلم کیا۔ علماء پر سختی کی یا ان سے مدد معاش چھین لی تو بہت اچھا کیا۔ اگر اُس نے مجدد۔ صاحب زمان اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ ترک جان و مال و ناموس و ایمان کے اقرارنامے

لوگوں سے لکھوائے۔ چیلیوں سے سجدہ کرایا۔ اذان کو بند کرایا۔ ناقوس بجوایا۔ اسلامی اصول کا مضحکہ اڑایا۔ آفتاب پرستی اور آتش پرستی کی تعلیم دی۔ سور اور کتوں کے دیکھنے کو عبادت قرار دیا۔ جواریوں کو روپیہ سود پر دیکر قماربازی کی ترغیب دی۔ شوہر سے لڑنے والی عورتوں کو فاحشہ خانہ بھجوایا تو اسکی یہ سب باتیں درست ہیں۔ کیونکہ اس نے اسلام کو ترک کردیا تھا۔ اسلام کو ترک کرکے آدمی جو کچھ کرے سب مباح اور بجا یا کم از کم قابل عفو ہے۔ اسلام جیسی بڑی چیز کو ترک کرنے کے بعد کوئی چیز بڑی نہیں رہتی۔

۸۱۔ الحاد کی محبت اور اسلام کی عداوت کا پھل سٹر ظریف کو کیا ملا؟

اللہ اکبر! کیسا عبرت کا مقام ہے۔ ناظرین! آپ نے دیکھا کہ "اسلام اور عقلیت" کے مصنف کو قرآن اور اسلام کی مخالفت کا پھل کیا ملا؟ یہ ملا کہ وحی والہام سے انکار اور اپنی عقل ناقص پر اعتبار کرنے کی وجہ سے اسکو لغو سے لغو اصول اور بیہودہ سے بیہودہ عقائد اور نامعقول سے نامعقول احکام کی حمایت کرنی پڑی۔ ان اصول و عقائد اور احکام کو معقول اور علم و عقل پر مبنی کہنا پڑا اور جس شخص نے ان کو جاری اور شائع کیا تھا اسکو طالب حق اور بڑا نقاد بلکہ عقلیت کا بادشاہ ماننا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہدایت جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے :۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ذوم ۲۱/۶۹)

"اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد (یعنی جدوجہد اور سعی بلیغ) کرینگے ہم انکو بالضرور اپنے رستے دکھائینگے"

مگر جو لوگ کانوں کے ہوتے حق بات کو نہ سنیں۔ آنکھوں کے ہوتے مناظر قدرت کو بہ نظر بصیرت مطالعہ نہ کریں۔ قلب (عقل) کے ہوتے کائنات پر غور و خوض نہ کریں۔ بالفاظ دیگر علم و عقل کو اپنا رہبر نہ بنائیں۔ انکی یہی سزا ہے کہ ان کے دل اور کانوں پر مہر لگائی جائے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جائے وہ بے علمی اور بے عقلی میں چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر بنا دیئے جائیں۔

اعمیٰ خبر از لذتِ دیدار ندارد	عامی نکند فہم گرایں مسئلہ غم نیست

مسٹر ظریف کو کفر و الحاد کی محبت نے بالکل صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ کا مصداق بنا دیا۔ "اسلام اور عقلیت" کی اشاعت کے بعد ان کے علم و عقل کا راز طشت از بام ہوگیا اور ہر کس و ناکس پر انکی دانش و بینش کی حقیقت کُھل گئی۔ مگر یہ سزا قانون قدرت کے عین موافق ہی۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔

ہر سو دو داں کش ز در خویش براند	واں را کہ بخواند بدرِ کس ندواند

خاتمہ

مصنّف کے بعض خاص خیالات پر ایک نظر

قبل اسکے کہ اس بحث کو ختم کیا جاے مناسب معلوم ہوتا ہی کہ مصنّف کی کتاب کے آخری دو صفحوں کی عبارت لفظ بہ لفظ نقل کی جاۓ اسکے بعد اُن کے خیالات پر ایک نظر کی جاۓ گی۔ وہ عبارت یہ ہی:—

۸۲ مصنّف کے بعض خاص خیالات

"تیسری بات جو سید صاحب کی تفسیر کے پڑھنے سے معلوم ہوتی ہی وہ یہ ہی کہ مذہب اور سائنس کی تطبیق محال ہی۔ خیال ہی۔ جنون ہی۔ اسکی کوشش فضول ہی۔ مگر ندوۃ العلما کے علما، خدا اُن کو ہدایت کرے۔ اس فضول کوشش میں اپنا وقت اور ملت کا روپیہ ضائع کر رہے ہیں اور سائنس کے سیلاب کے سامنے ریت کے گھر بنا رہے ہیں چبائی ہوئی باتوں کو اور چبا رہے ہیں اور پامال دلائل کو اور پامال کر رہے ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ مرے ہوے گھوڑے کو اُٹھا رہے ہیں کوئی اُسے چابک لگا رہا ہی۔ کوئی اُسے لاتیں مار رہا ہی کوئی اُسکے کان کھینچ رہا ہی اور کوئی اُسکی دُم پکڑ رہا ہی مگر گھوڑا مرگیا ہی اُٹھے کیسے۔ مذہب اور سائنس سے بہت مصالحت ہو چکی۔ اب از روے انصاف ہار مان لینی چاہیے اور جس جوش و خروش اور صدق و خلوص سے عربوں نے اسلام قبول

کیا تھا اس سے وہ چند جوش و خروش اور صد چند صدق و خلوص کے ساتھ عقلیت والحاد
کو مان لینا چاہیئے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو فبہا ورنہ عزّ البقا میں عہدہ بر آ نہیں ہو سکینگے اور
غارت و برباد ہو جائیں گے۔ خوشی کی بات ہے کہ ایران مصر اور ترکی میں مسلمان مذہب سے
غافل اور عقلیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور اسی سبب سے کچھ کچھ ابھر رہے ہیں۔ ہندوستان
میں بھی آثار اچھے ہیں۔ سب کی نظریں علیگڈھ کالج پر پڑ رہی ہیں۔ ہمیں بھی اس سے بہت
کچھ امیدیں ہیں۔ اب بھی خدا کے فضل اور مولوی عبداللہ صاحب نصاری کے وعظ کے
اثر سے ہر سال ایک دو ملحد پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب وہاں کا مدرسۃ العلوم دار العلوم بنے گا
تو انشاء اللہ تعالیٰ درجنوں ملحد پیدا ہونگے۔ اور علیگڈھ دار الملاحدہ بنجائے گا۔ زندہ باد علیگڈھ۔
پائندہ باد علیگڈھ" (اسلام اور عقلیت صفحہ ۴۴، ۴۴۵)

یہ انہی خیالات کا اعادہ ہے جو مصنف نے اپنی کتاب میں جا بجا ظاہر کئے ہیں اور جن پر بیا
تفصیل کے ساتھ ریویو (تنقید) کر چکا ہوں مگر یہاں چند اور خاص باتیں قابل غور ہیں انپر
ایک نظر کرنی ضروری ہے +

۸۴۔ حمایت اسلام میں ہمارا نقطۂ نظر سر سید کے نقطۂ نظر سے مختلف ہے

ہم کو سر سید کے مذہبی خیالات سے پورا پورا اتفاق نہیں ہے
مذہب و سائنس کی تطبیق جس حیثیت سے انہوں نے
کی ہے اُس حیثیت سے ہم اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسلام کی تائید میں ہمارا نقطۂ نظر
ان سے مختلف ہے۔ ہم اسلامی اصول و عقائد کے ثبوت میں ایسے عقلی اور فطری دلائل قائم
کرتے ہیں جن کے تسلیم کرنے سے سلیم الطبع انسان کو انکار نہ ہو اور اہل سائنس و فلسفہ کے
مقابلہ میں ان کے مسلمات اور انکی تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی مسائل پر روشنی ڈالتے اور
انکی مزید توضیح و تشریح کرتے ہیں۔ ہمارا یہ خیال نہیں (اور نہ کسی دانشمند آدمی کا ایسا خیال ہونا
چاہیئے) کہ حکما و فلاسفہ کی تحقیقات انتہائی تحقیقات ہے۔ ایسا خیال حماقت اور جنون ہے
کیونکہ ہر دس بیس سال کے بعد ہر ایک علم میں کوئی نہ کوئی نئی تھیوری قائم اور پرانی باطل ہوتی رہتی ہے

۸۴۔ بیان مذکور کی تشریح ایک مثال سے | یہ بات ایک مثال سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

اہل سائنس کا یہ خیال عرصہ دراز سے دنیا پر حکومت کرتا رہا ہے کہ مادہ کی اصل ایٹمز (اجزائے لایتجزیٰ) ہیں جو قدیم یعنی ازلی و ابدی ہیں۔ اب ریڈیم (ایک قسم کی دھات) کے دریافت ہونے پر پچھلے دس سال کے تجربوں سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مادہ کی اصل یہ اجزا نہیں ہیں بلکہ مادہ درحقیقت قوت برقی کی چنگاریوں کا مجموعہ ہے یعنی مادہ کی مختلف صورتیں قوت برقی کی خاص خاص ترکیبوں سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مادہ پہلے قدیم مانا جاتا تھا اب حادث ثابت ہو گیا۔ جہاں تک اسلامی عقائد کا تعلق ہے تمام ماسوی اللہ حادث ہے (جس میں مادہ بھی شامل ہے) اور اب سائنس کی گہری تحقیقات سے آخرکار مادہ کے حدوث کا سراغ مل گیا۔ الغرض ہم سائنس کے ایسے اصول کو جن سے مثلاً تعدد قدما لازم آتا ہے یا ایک ذات واجب الوجود کے علاوہ کسی دوسری شے کو قدیم ماننا پڑتا ہے عقلی و فطری دلائل سے باطل کرینگے کیونکہ تعدد قدما کا تسلیم کرنا عقل سلیم اور اصول اسلام کے خلاف ہے۔ مگر ہم کو نہ تو اُس قدیم تحقیقات کے رد کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ مادہ اجزاے صغار کا مجموعہ ہے اور نہ اس جدید تحقیقات سے تعرض کرنیکی کوئی ضرورت ہے کہ مادہ قوت برقی کی چنگاریوں کا مجموعہ ہے۔ ہم کو صرف مادہ کا حادث ثابت کرنا مقصود ہے نہ کہ اسکی اصلیت اور ماہیت پر بحث کرنا کیونکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ کسی شے کی اصل حقیقت کا پتا لگانا ناممکن ہے۔

۸۵۔ اسلام کی حقانیت کا اصل معیار فطرت انسانی ہے | قصہ مختصر ہم نے اسلامی اصول و عقائد کو اول فطرت انسانی اور عقل سلیم کی کسوٹی پر کس کر اس کا خالص اور کھرا ہونا یقین کیا۔ بعدازاں سائنس کے تجربات و مشاہدات اور فلسفہ کی تحقیقات سے انکی توضیح و تشریح کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ہی سائنس اور فلسفہ کے اُن قیاسات کو جو اسلامی اصول کے مخالف ہیں۔ دلائل قاطعہ سے رد کرتے ہیں۔ ہم سائنس اور فلسفہ کی تحقیقات کو لفظ بلفظ صحیح تسلیم کرکے اسلامی اصول کی اُن کے ساتھ تطبیق دینے کی بے سود کوشش نہیں کرتے کیونکہ مذہب اسلام جو فطرت کی کسوٹی پر پورا اُتر چکا ہے اُسکو کوئی سائنس اور

کوئی فلسفہ باطل نہیں کر سکتا۔ قصہ مختصر ہم اسلام کو فطری دلائل سے صحیح تسلیم اور یقین کر لینے کے بعد سائنس اور فلسفہ سے اسکی تائید کرتے ہیں نہ کہ بالعکس۔ پس اگر ندوۃ العلما کے علما اس اصول پر کاربند ہو کر مذہب اسلام کی حمایت کرتے ہیں (اور جہانتک ہم کو علم ہے وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں) تو انکی یہ کوشش فضول نہیں ہو سکتی اور ان کا وقت اور ملت کا روپیہ ضائع نہیں ہو سکتا۔

۸۶۔ اسلام کو الحاد کے سیلاب کا کوئی خطرہ نہیں

اسلام کی بنیاد ریت پر نہیں ہے جو کفر و الحاد کے سیلاب سے بہ جائے بلکہ اسکی بنیاد اس محفوظ چٹان پر ہے جسکو کفر و الحاد کے لاکھ سیلاب بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آجکل کے ملحدوں کی تو حقیقت کیا زمانہ سابق کے بڑے بڑے ملحد بھی اسلام کے مقابلہ میں نہیں ٹھیر سکے۔ اور ہزارہا ملاحدہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور حضرات ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے ہاتھ پر بحث و مباحثہ کے بعد اسلام لاچکے ہیں بعض مباحثوں کے حالات آجتک قلمبند موجود ہیں۔

۸۷۔ مذہب اور سائنس کی مصالحت کی بابت ہربرٹ سپنسر اور پروفیسر ٹنڈل کی رائے اور مسٹر ظریف کی رائے کی غلطی

مسٹر ظریف کے نزدیک مذہب اور سائنس کی مصالحت ناممکن ہے۔ ان کے نزدیک یہ مذہب کو ہار مان لینی چاہیئے۔ مگر ان کا یہ خیال غلط ہے۔ سائنس مذہب کا مخالف نہیں بلکہ ان توہمات کا مخالف ہے جو مذہب کے نام سے مشہور ہیں۔ اس موقع پر مسٹر ظریف کے خیالات کے جواب میں سرآمد فلاسفہ یعنی ہربرٹ سپنسر کی شہادت کا پیش کرنا کافی ہے۔

ہربرٹ سپنسر نے اپنی کتاب ایجوکیشن کے پہلے باب میں (جس کا ترجمہ راقم نے "فلسفہ تعلیم" کے نام سے[1] اردو میں کیا ہے) سائنس اور مذہب کے متعلق بعض عمدہ خیالات ظاہر کئے ہیں جیساکہ ذیل کی عبارتوں سے ظاہر ہے:۔

---

[1] یہ ترجمہ علیگڈہ کالج بک ڈپو سے ملسکتا ہے۔

"سائینس ان توہمات کا دشمن ہی جو مذہب کے نام سے مشہور ہیں نہ کہ اصلی و حقیقی مذہب کا جسکو یہ توہمات محض پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ بہت سا سائینس جو مروج ہی اس میں لامذہبی کی روح غالب ہی۔ مگر نہ اس سچے سائینس میں جو سطح سے گذر کر تہ تک پہنچ گیا ہی"۔

پروفیسر ہکسلی نے حال ہی میں اپنے لکچروں کے سلسلہ کے اختتام پر یہ بیان کیا تھا:۔

"سچا سائینس اور سچا مذہب توام بھائی ہیں۔ ان کی باہمی جدائی یقینا دونوں کی موت ہی۔ سائینس میں جسقدر مذہبی روح ہوگی ٹھیک اسی مناسبت سے وہ ترقی کرے گا اور جہاں تک سائینس کی گہرائی اور مضبوطی پر مذہب کی بنیاد قائم ہوگی۔ ٹھیک اسی مناسبت سے مذہب سرسبز ہوگا۔ حکمانے جو بڑے بڑے کام کیئے ہیں محض انکی عقل و ذکاوت کا ثمرہ نہیں ہیں۔ بلکہ زیادہ تر اس بات کا ثمرہ ہیں کہ مذہبی جوش نے جو انکی طبیعت میں نمایاں طور پر پایا جاتا تھا انکی عقل کو سیدھے راستے پر ڈالدیا تھا۔ علمی حقائق زیادہ تر انکے صبر انکی محنت۔ انکی راستبازی اور انکی نفس کشی کی بدولت منکشف ہوئے ہیں نہ کہ انکی منطقی ذکاوت کی بدولت"۔

۸۸۔ سائینس بیدینی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ سائینس سے غفلت کرنی بیدینی ہی۔

"بہت لوگوں کا یہ خیال کہ سائینس لامذہبی اور بیدینی کی تعلیم دیتا ہی محض غلط ہی۔ سائینس کا لامذہبی کی تعلیم دینا تو ایک طرف رہا خود سائینس سے غفلت کرنی بیدینی ہی۔ ایک ادنی مثال سے اس بات کو سمجھ لو۔ فرض کرو کہ بعض لوگ روزمرہ کسی مصنّف کی تعریفوں کے پل باندھا کریں فرض کرو کہ مصنّف کی جسقدر تعریفیں کی جائیں اُن کا مضمون ہمیشہ یہی ہو کہ اسکی تصانیف کی دانائی عظمت و جلالت اور خوبی و لطافت کا اعتراف کیا جائے۔ فرض کرو کہ جو لوگ اس طرح اسکی کتابوں کی صفت و ثنا متواتر بیان کرتے رہتے ہیں وہ ان کتابوں کی صرف بیرونی صورت دیکھنے پر قناعت کریں اور ان کا مضمون سمجھنے کی کوشش تو الگ رہی کبھی انکو

کھول کر بھی نہ دیکھیں۔ بھلا ایسے آدمیوں کی تعریفوں کی (جو تحسین ناشناس کا مصداق ہیں) ہم کو کیا قدر کرنی چاہئے۔ انکی صداقت و راستبازی کی نسبت ہم کو کیا خیال کرنا چاہئے۔ تاہم اگر چھوٹی چیزوں کا بڑی چیزوں سے مقابلہ کیا جائے تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ موجودات عالم اور اسکی علت (خدائے تعالیٰ) کی نسبت بھی بنی نوع انسان کا طرز عمل عموماً اسی قسم کا ہے نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ فقط اتنی ہی بات نہیں کہ لوگ بغیر مطالعہ کے ان چیزوں کے پاس سے کترا کر نکل جاتے ہیں جن کو وہ روزمرہ نہایت عجیب غریب بتاتے ہیں۔ بلکہ جو لوگ قدرت کے مشاہدہ میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں وہ اکثر اوقات انپر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ فعل عبث میں اوقات ضائع کرتے ہیں۔ جو لوگ ان عجائبات میں عملی ذوق و شوق ظاہر کرتے ہیں سچ مچ انکو حقیر سمجھتے ہیں۔ پس ہم مکرر بیان کرتے ہیں کہ سائنس نہیں بلکہ سائنس سے غفلت کرنی بیدینی ہے۔ سائنس کی محبت خاموش عبادت ہے یعنی جن چیزوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے ان کی عظمت کو اور کنایۃً انکی علت (خدائے تعالیٰ) کی عظمت کو چپ چاپ تسلیم کرنا ہے۔ یہ صرف زبانی بندگی نہیں بلکہ ایسی بندگی ہے جو افعال سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایسی طاعت نہیں ہے جس میں صرف اقرار باللسان ہو۔ بلکہ ایسی طاعت ہے جس میں تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان بھی شامل ہیں اور اس کا ثبوت وقت۔ غور و فکر اور محنت کو قربان کرنے سے ملتا ہے۔

۸۹۔ سائنس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قوانین قدرت پر وثوق اور ان کی فرمانبرداری کی ترغیب پیدا ہوتی ہے

"سچا سائنس صرف اسی وجہ سے مذہبی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس وجہ سے بھی مذہبی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلالت ہمارے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور قدرت کی تمام چیزیں جو اپنے افعال میں یکسانی اور یک رنگی ظاہر کرتی ہیں ان سے اس بات کا پختہ اعتقاد دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ سائنس کے عالم کو مظاہر قدرت کے غیر متغیر تعلقات کا۔ علت و معلول کے لازوال علاقہ کا۔ نیک و بد نتائج کے لزوم کا۔ کامل یقین ہو جاتا ہے۔ سماعی اعتقاد جزا و سزا کی بجائے جسکو حاصل کرنے یا جس سے بچنے کی۔ باوجود

نافرمانی اور سرکشی کے لوگ بے فائدہ توقع رکھتے ہیں۔ وہ یہ بات دیکھتا ہے کہ ایک مقررہ آئین کے موافق جزا و سزا ملتی ہے اور نافرمانی کے بدنتائج اٹل ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ جن قوانین کی ہم کو فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ وہ نامہربان بھی ہیں اور مہربان بھی وہ دیکھتا ہے کہ ان قوانین کی پابندی سے ہر شے کی رفتار ہمیشہ زیادہ تر کمال اور اعلیٰ تر خوشی کی طرف رجوع کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان قوانین پر زور دیتا ہے اور جب انکی طرف سے بے پرواہی کی جاتی ہے تو اسکو غصہ آتا ہے اور اس طرح چیزوں کے ازلی و ابدی اصول اور انکی تعمیل کی ضرورت کا اقرار کر کے حقیقت میں اپنے تئیں مذہبی آدمی ثابت کرتا ہے۔

٩٠۔ سائنس اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی حقیقت کا سمجھنا نہ صرف عقل انسانی بلکہ خیال و قیاس سے بھی بالاتر ہے

آخر میں ہم سائنس کی ایک اور مذہبی ہیئت دکھاتے ہیں وہ یہ کہ زندگی کے راز ہائے سربستہ کے ساتھ ہم کو جو تعلق ہے۔ اس تعلق کا اور خود اپنے نفس کا صحیح تصور سائنس ہی کی بدولت ہو سکتا ہے۔ سائنس ان تمام باتوں کو بتاتا ہے جن کا جاننا ممکن ہے اور ساتھ ہی اسکے اس حد کو بتاتا ہے جسکے آگے کا حال ہم کو کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔ سائنس ہم کو بطور اعتقاد کے یہ بات نہیں سکھاتا کہ علت العلل کی ماہیت کا سمجھنا محال ہے۔ بلکہ ہر طرف اس سرحد پر پہنچا کر جس سے آگے قدم رکھنا نہایت مشکل ہے۔ اس امر کے محال ہونے کو کھلم کھلا ہم سے تسلیم کرا لیتا ہے۔ سائنس اس بات کو برائے العین مشاہدہ کرا دیتا ہے اور کسی دوسرے طریقہ سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی کہ اس ہستی کے آگے جو عقل انسانی سے بالاتر ہے عقل انسانی قاصر و عاجز ہے۔ سماعی روایات اور لوگوں کی اسناد کی طرف اسکی روش شائد متکبرانہ ہو۔ مگر اس پردہ اسرار کے آگے جس میں قادر علی الاطلاق چھپا ہوا ہے اور جس میں کوئی شخص باریاب نہیں ہو سکتا اسکی روش عاجزانہ ہے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم	فروغِ تجلی بسوزد پرم

پس سائنس کا کبر بھی سچا ہے اور انکسار بھی۔ صرف سائنس کا سچا عالم (اور اس لقب

ہماری مراد اُس شخص سے نہیں ہی جو صرف فاصلوں کا اندازہ کرتا ہی یا مرکبات کی تحلیل کرتا ہی یا چیزوں کی نوعیں مقرر کرتا ہی۔ بلکہ ہماری مراد اُس شخص سے ہی جو ادنی حقیقتوں کے ذریعہ اعلیٰ حقیقتوں کا اور آخرکار اعلیٰ ترین حقیقتوں کا سُراغ لگاتا ہی) ہاں صرف سائنس کا بیدیا عالم حقیقت میں یہ بات سمجھ سکتا ہی کہ قادر مطلق کی قدرت جو سب چیزوں پر حاوی ہی نہ صرف انسانی علم بلکہ انسانی خیال و قیاس سے بھی کس قدر برتر ہی اور کائنات حیات اور ادراک اسی قدرت کے کرشمے ہیں" (سبحانہ ما اعظم شانہ) ۵

(ای برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم	وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر	ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم)

پس مسٹر ظریعت نے جو غلط راے سائنس اور مذہب کی عدم مصالحت کی بابت ظاہر کی ہی وہ انکی کم علمی پر مبنی ہی۔ ہکسلی کی راے کے مقابلہ میں انکی راے بالکل بے وقعت ہی انکا علم سطحی ہی۔ ابھی تک انکی رسائی اس سچے سائنس تک نہیں ہوئی جو سطح سے گزر کر تہ تک پہنچ گیا ہی۔ انہوں نے اب تک اسی سائنس کا مطالعہ کیا ہی جس میں بقول ہربرٹ سپنسر بیدینی اور لامذہبی کی روح غالب ہی۔ اگر سچے سائنس تک انکی رسائی ہوجاتی تو انکی راے بالکل مختلف ہوتی۔

۹۱۔ علیگڈہ کی مذہبی تعلیم کا نقص اور اُس کا تدارک

مصنّف نے قومی و ملکی ترقی کو ہمیشہ کفر و الحاد و لامذہبی و بیدینی کا نتیجہ قرار دیا ہی اس خیال کا ابطال پہلے ہو چکا ہی اب وہ علیگڈہ کالج سے بہت کچھ امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور ان کا خیال ہی کہ ہر سال ایک دو ملحد مولوی عبداللہ صاحب نصاری کے وعظ کی بدولت علیگڈہ کالج سے نکلتے ہیں اور جب کالج یونیورسٹی بنجائیگا اُسوقت درجنوں ملحد پیدا ہونگے۔ علیگڈہ کالج سے ہر سال ایک دو ملحدوں کا نکلنا تعجب کی بات نہیں ہی۔ مگر مولوی عبداللہ صاحب نصاری کو اس الحاد کا ذمہ دار قرار دینا سراسر بے انصافی ہی۔ اس کا الزام اگر عائد ہو سکتا ہی تو کالج کی اُس جماعت پر جو مذہبی امور کی نگراں ہی۔ وجہ یہ ہے کہ کالج میں آجتک نہ تو اسلامی تربیت کا جیسا کہ چاہئے انتظام ہوا

نہ اخلاقی و مذہبی لیکچروں کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہوا۔ نہ عمدہ مذہبی کورس تیار کئے گئے اور نہ ایسے خادمان دین کی مذہبی خدمات سے پورا فائدہ اُٹھایا گیا جو عقلی و فطری دلائل سے اسلام کی حقانیت ظاہر کر سکتے ہیں اور جدید سائنس و فلسفہ کے مقابلہ میں اسکی حمایت کر سکتے ہیں۔ یہ خیال غلط ہی کہ ایسے آدمی دستیاب نہیں ہو سکتے جو ان مذہبی خدمتوں کو انجام دے سکیں حقیقت یہ ہی کہ زمانہ ایسے لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ مگر وہ دنیوی جاہ و حشم کے لباس میں نہیں ملتے جہاں غلطی سے انکو تلاش کیا جاتا ہی بلکہ زاویۂ خمول اور خاکساری کے لباس میں ملتے ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر	تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بلاشبہ علیگڈھ کالج میں صوم و صلوٰۃ کی پابندی پر بہت کچھ زور دیا جاتا ہی مگر زیادہ تر بے نتیجہ۔ اگر کسی درخت کی جڑ کو تو سیراب کیا نہ جاے۔ مگر اُسکی شاخوں پر روزمرہ پانی چھڑکا جاے تو درخت بارآور نہیں ہو سکتا۔ دین کے اصل عقائد ہیں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ اعمال اسکی فروع۔ جب تک اصول پختہ اور مضبوط نہ ہوں اور انکی صداقت اچھی طرح طلبہ کے ذہن نشین نہ ہو جاے اُس وقت تک انکو صوم و صلوٰۃ وغیرہ کی پابندی کا سبق دینا کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا نہایت ضروری ہی کہ سب سے پہلے خدا کی ہستی کے عقلی دلائل اور ملاحدہ وغیرہ کے جملہ اعتراضات کے تسلی بخش جوابات ذہن نشین کرا دیے جائیں۔ پھر اسی طرح دیگر اسلامی عقائد کو لینا چاہیئے۔ اسکے بعد عبادت و عبودیت کا مفہوم سمجھانا چاہیئے۔ بیشک ان سب کاموں کے لئے روپئے کی ضرورت ہی مگر علیگڈھ کالج میں روپئے کی کمی نہیں ہے۔

دنیوی تعلیم پر لاکھوں روپیہ صرف ہو رہا ہی اس مناسبت سے دینی تعلیم پر بہت ہی کم صرف ہوتا ہی اور جو کچھ بھی صرف ہوتا ہی باقاعدہ نہیں ہوتا۔

اگر اس نقص کو رفع نہ کیا گیا جسکی ضرورت سالہا سال سے محسوس ہو رہی ہی تو وہ

دن دور نہیں ہو جب کہ بقول مسٹر ظریف علیگڈھ کالج سے درجنوں ملحد نکلیں گے اور پھر علیگڈھ واقعی دار الملاحدہ بن جاے گا (خدا وہ دن نہ لاے)

۹۲ - کالج کے منتظموں سے راقم کی التجا | علیگڈھ کالج کی منتظم جماعت سے جسکے ہاتھ میں کالج کا حل و عقد ہو - میری یہ التجا ہو کہ آجتک تو آپ حضرات نے مذہبی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی قابل اطمینان انتظام نہیں کیا جس کا افسوسناک نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ظریف نمونہ ہو ان طلبا کا جن کے آئندہ بکثرت کالج سے نکلنے کی توقع کی جاسکتی ہو - براے خدا اپنے فرائض کو پورا اور قوم کی تباہی پر رحم کیجئے - کیا آپ کو اُس وقت کا انتظار ہو جب کہ (خدانخواستہ) تمام کالج دار الملاحدہ بن جاے گا -

اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ وَالْغَافِلُ لَا یَنْفَعُہُ اَلْفُ عِبَارَۃٍ

۹۳ - مسٹر ظریف سے راقم کی درخواست | مسٹر ظریف سے میری درخواست یہ ہو کہ اس تنقید کو ٹھنڈے دل سے بغور ملاحظہ کریں - میں نے ذاتیات کی بحثوں کو حتی الامکان اپنی تحریر میں دخل نہیں دیا اور صرف عقلی اور علمی دلائل سے کام لیا ہو - آپنے بلا دلیل و برہان جابجا اپنی کتاب میں اسلام پر طعن و تشنیع کی ہو اور قرآن مجید پر حملے کئے ہیں اگر بمقتضاے بشریت کفر و الحاد اور مادیت و دہریت کے خلاف میرے قلم سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو جو آپ کو ناگوار گزری ہو تو امید ہو کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے ایک اور عرض یہ ہو کہ آپ اپنے ملحدانہ خیالات کی بطور خود جانچ پڑتال کرکے اسلامی اصول سے اُن کا مقابلہ کریں - اگر آپ راہ حق کی تلاش میں سچے دل سے خالی الذہن ہوکر سعی کریں گے تو انشاء اللہ العزیز ضرور کامیاب ہونگے اور آپکو اسلام کی خوبی اور الحاد کی خرابی خود بخود معلوم ہو جائیگی - وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (پانی پت ۱۲ - اگست ۱۹۱۲ء)

تَمَّ التَّنْقِیْدُ بِعَوْنِ اللّٰہِ الْمَجِیْدِ -

ضمیمۂ اوّل

"تنقید لطیف" پر چند قابل قدر تقریظیں

(۱) مولوی محمد انشاء اللہ خان صاحب ایڈیٹر اخبار وطن نے تنقید لطیف کو اپنے اخبار میں چھاپ کر ۱ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں حسب ذیل نوٹ لکھا تھا:۔

"مسٹر محمد ظریف ایم۔ اے سابق پروفیسر علم منطق علیگڈھ کالج نے ایک کتاب "اسلام اور عقلیت" کے نام سے حال ہی میں چھپوا کر شائع کی ہے جسمیں اُنھوں نے اپنے دہریانہ خیالات ظاہر کئے ہیں اور دین اسلام کو جا بجا علم و عقل کے خلاف بتایا ہے خدا کے وجود سے انکار کیا ہے۔ نبوّت۔ معاد۔ حشر و نشر وغیرہ جملہ اسلامی اصول کو وہم پرستی قرار دیا ہے۔ یہ کتاب ایڈیٹران اخبارات کے پاس بھی بغرض ریویو بھیجی گئی تھی۔ بعض ایڈیٹر معمولی چند سطروں کا ریویو کر چکے ہیں اور بعض ابھی تک ریویو کر رہے ہیں۔ بعض نے طیش میں آکر اس کتاب کو چاک کر کے جلا دیا اور اس طرح اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ مگر ان کارروائیوں سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عقلی اور علمی دلائل سے مُلحدانہ عقائد کو باطل اور اسلامی عقائد کو ثابت کیا جاوے۔ ہمارے علما کو (جن کا فرض منصبی حمایت اسلام ہے) اب تک غالباً اس کتاب کے نام سے بھی اطلاع نہیں ہے۔ اُس کا مطالعہ کرنا اور جواب لکھنا تو امر دیگر ہے۔

ہم فکر مند تھے کہ دیکھئے اس خدمت کی انجام دہی کا قرعہ کس کے نام نکلتا ہے کہ اتنے میں بفحوائے مصرعہ

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی کا مضمون تنقید لطیف بر خیالات ظریف"

ہمارے اخبار میں شائع ہونے کے لئے آیا۔ چونکہ ہم ایسے ہی مکمل۔ مدلل مسکت اور متین جواب کے خواہشمند تھے۔ ہم نے نہایت خوشی سے اس مضمون کو اپنے اخبار میں جگہہ دی جو چند ہفتوں سے برابر چھپ رہا ہی اور آج ختم ہوتا ہی۔ خریداران اخبار اس مضمون کو اخبار سے جُدا کرلیں اور اُس کا فائل بشکل کتاب علیحدہ رکھیں۔ فہرست مضامین بھی ہفتہ آئندہ میں شائع کردیجاے گی۔ غرض کہ خریداران وطن کو ایک بے مثل اور نادر کتاب مُفت مل جاے گی۔ جس کا ہر مسلمان کے گھر میں موجود رہنا ہماری راے میں نہایت ضروری ہی۔

یہ تنقید جناب شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی فرمایش سے لکھی گئی ہی اور یہ محض تائید غیبی ہی کہ خواجہ غلام الحسنین صاحب نے باوجود مشاغل کثیرہ کے مسٹر ظریف کی کتاب کا ایسا عمدہ اور ایسا کامل جواب نہایت قلیل عرصہ میں لکھکر تیار کرلیا اور ابھی "اسلام اور عقلیت" کا نام بھی لوگوں کے گوش آشنا نہ ہوا تھا کہ خواجہ صاحب موصوف نے بعض اخبارات میں اُس کے جواب کے تیار ہوجانے کا اعلان کردیا۔

"تنقید لطیف" کے مصنف سے اہل پنجاب کو تعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہی کیونکہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں میں مختلف اسلامی مباحث پر ہزارہا آدمیوں نے اُن کے لیکچر سُنے ہیں۔ ہندوستان کے دیگر مقامات میں بھی اُن کے بہت سے لیکچر ہوے ہیں۔ گزشتہ سال اپریل ۱۹۱۱ء میں جبکہ خواجہ صاحب نے بمقام بنارس حقیقتِ نبوّت پر تین فلسفیانہ لیکچر دئے تھے اُس وقت علامۂ زمان حضرت مُلّا محمد باقر اصفہانی اتفاق سے وہاں موجود تھے علامۂ ممدوح نے جو اُردو زبان کو بخوبی سمجھتے ہیں نہ صرف اُس موقع پر ان حکیمانہ لیکچروں کی تعریف کی بلکہ عراق واپس جاکر کاظمین شریف میں بھی اکثر لوگوں سے خاص طور پر اُن کا

ذکر کیا تھا۔

خواجہ صاحب کی مذہبی خدمات صرف زبانی تقریروں تک محدود نہیں بلکہ اُن کی تصانیف کے متعدد رسائل (کشف الحقیقت۔ اسلام و اصلاح معاشرت۔ تقدیس القرآن۔ معیار الاخلاق وغیرہ جو ہمارے مطالعہ سے گزر چکے ہیں) صداقت اسلام کے دلائل معلوم کرنے اور معترضین کے اعتراضات کو دفع کرنے کے لیئے بہت مفید ہیں۔ خواجہ صاحب کی تصانیف کی خوبی اور متانت کا اندازہ ناظرین وطن تنقید لطیف کے مطالعہ سے بخوبی کر سکتے ہیں فقط"۔

(۲) ہندوستان کے مشہور و معروف اہل قلم اور نامی و گرامی مضمون نگار جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ممبر کونسل ریاست بہاولپور اپنے خط مورخہ ۳ر جنوری ۱۹۱۴ء میں "تنقید لطیف" کے متعلق حسب ذیل الفاظ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تنقید جستہ جستہ اخبار وطن میں پڑھی میں سوچتا تھا کہ کون اس طرف توجہ کرتا ہے الحمد للہ کہ ایک اہل کی توجہ آخر کار اس طرف ہوئی۔ اور ایک ایسے لطیف رنگ میں جس سے بہت سے لوگ اور بہت سی مذبذب روحیں لغزش اور تذبذب سے محفوظ رہینگی اگر یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو بہت سے ایسے لوگ جو سطحی رنگ میں اسلام کے نام لیوا ہیں ضرور مزید گھبراہٹ میں پڑ جاتے۔ آپ نے اس کارنمایاں سے بہت سی روحوں کو بچا لیا۔ آپ نے جس خوبی اور جامعیت سے یہ جواب لکھا ہے وہ آپ کے اُن وسیع معلومات کا نمونہ ہے جو آپکے صاف سینہ میں بھرے پڑے ہیں۔ کاش مسٹر ظریف اس تنقید لطیف کو احقاقِ حق کی نگاہوں سے دیکھیں۔ اُنہیں معلوم ہو جائیگا کہ اُنکے خیالات در اصل ایک ظرافت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہمت میں برکت دے۔ آمین۔ ایسے رسالوں کی اشاعت ایک وسیع حد تک ہونی چاہیئے اور اُنکے واسطے

ایک فنڈ قائم کیا جائے "

(۳) فاضل اجل و عالم اکمل ماہر فلسفہ قدیمہ و جدیدہ حضرت علامہ جناب مولانا ڈاکٹر سید محمد جواد صاحب رئیس اعظم عظیم آباد محبت ایمانی کی جوش میں ۵ محرم ۱۳۳۱ھ کے خط میں حسب ذیل سطور تحریر فرماتے ہیں:۔

" رد دہری میں جو آپ نے تحریر لکھی ہے اسکو میں نے وطن اخبار میں پورے طور سے پڑھا۔ اسکے بارہ میں اسی قدر میں کہتا ہوں کہ اسکے دیکھنے کے بعد مجھے آپ سے ایک خاص محبت ہوگئی۔ عمرک اللہ تعالیٰ وکثر فی الاسلام امثالک "

(۴) فاضل جلیل و عالم نبیل جناب مولوی مفتی محمد خلیل صاحب مفتی ریاست مالیر کوٹلہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے خط میں "تنقید لطیف" پر حسب ذیل رائے ظاہر فرماتے ہیں:۔

" اخبار وطن میں جناب کی تصنیف "تنقید لطیف بر خیالات ظریف" فقیر کی نظر سے گزری۔ ظریف صاحب کی عقل اسکے مطالعہ سے ضرور چکرائی ہوگی۔ اگر وہ طالب حق ہونگے تو اس لاجواب جواب سے ضرور صراط مستقیم پر آجائینگے۔ خداوند تعالیٰ آپ جیسے محسنان اسلام کو خوش و خرم رکھے "

(۵) جناب مولوی اختر عادل صاحب ایم۔ اے۔ او۔ کالج علیگڈھ "تنقید لطیف" اور خواجہ صاحب کی دیگر تصانیف کی خوبی و لطافت اور ان کے دلائل کی وقعت کو اپنے خط مورخہ ۷ ا۔ مئی ۱۹۱۳ء میں بدیں الفاظ

سلطان الواقع جناب مرزا صاحب کی رائے نہایت صائب ہے اشاعت اسلام کیلئے اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ کچھ ایسا منتشر ہوا ہے کہ بظاہر اسکی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ علما و امرا دونوں کی خاص توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیے۔ سر دست تو مایوسی ہی مایوسی کے آثار ہیں لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۱۲ منہ خدا آپ کی عمر دراز کرے اور اسلام میں آپ جیسے لوگوں کی تعداد زیادہ کرے ۱۲

ظاہر فرماتے ہیں :-

"ہر دو کتاب مرسلہ موصول ہوئیں - نہایت ممنون ہوں - اور آپ کی اس کرمفرائی کا بیحد مشکور - آپ کی تصانیف پر رائے زنی اور تنقید ایک نہایت مہمل امر ہے - میں آپ کو صرف اسکا مستحق اور اہل سمجھتا ہوں کہ اُن کو پڑھکر آپ کے چشمۂ فیض سے مستفید ہوں اور اپنے دیگر معزز احباب کو اُسپر مطلع کروں"

(۶) جامع معقول و منقول و حاوی فروع و اصول سرآمد فلاسفہ جناب مولنا و بالفضل اولنا السیّد مرتضیٰ صاحب "فلسفی" رئیس نونہرہ ضلع غازیپور اپنے ۱۴ مئی ۱۹۱۳ء کے خط کے ساتھ "تنقید لطیف" پر ایک مبسوط ریویو ارسال فرماتے ہیں - جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

"مجھے سخت تعجب ہوا جب میں نے پروفیسر ظریف کی تقریر کو اس رسالہ (تنقید لطیف بر خیالات ظریف) میں پڑھا - کیونکہ نہ اُس میں فلسفیانہ نکتہ طرازی کی جوشش ہے نہ دلائل میں منطقیانہ شورش ہے اور پھر اُس فلسفہ کے اُستاد بھی کہے جاتے ہیں انگریزی فلسفہ کے بازار میں اگر ایسے ہی خار و خزف اور شعریات و خطابیات کی نمائش ہے تو میں کہونگا کہ اسلامی فلسفہ کے ایک ذرّۂ غبار راہ کو بھی انگریزی فلسفہ نہیں پہنچتا ؎

بستر قصّۂ سیمرغ و غصّۂ ہُد ہُد　　　کسے رسد کہ شناسائے منطق الطیر است

مگر پھر بھی اُن کی تقریر ابلہ فریبی و اختلالِ خیال و استیصالِ جلال ذوالجلال جل ثناءُہ میں جہال کے نزدیک ایک حد تک کامیاب ہے +

کافۂ اہلِ اسلام کو ان ملحدانہ قیاسات و مغالطات عامّہ کی ردّ و قدح واجب تھی - مگر ہر طرف شہر خموشاں و حسرتُ اندوہ و پست ہمّتی و حرماں کا دورہ تھا کسی کے سحر نگار قلم میں نہ روانی نظر آئی نہ کسی کی غیرتِ اسلامی میں توفیقِ ربانی کا جلوہ نظر آیا - اِلّا جناب خواجہ غلام الحسنین صاحب کی حمیّت اسلامی ظلمت زدائے وساوس

شیطانی و بنیان کن مہدجہل و نادانی ہوئی کہ اُنھوں نے اس رسالہ میں کوئی دقیقہ قلع و قمع اساس الحاد و انہدام زندقہ و استبداد میں فروگذاشت نہ فرمایا میں خیال کرتا ہوں کہ اب حضرت ظریف کو مادام العمر ایسے ہفوات و اضالیل کے شائع کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اگر اس رسالہ کو بہ نظرِ انصاف دیکھیں گے +

اس رسالہ میں استحکام دلائل کے ساتھ عبارت کی سلاست۔ بیان کی لطافت بھی نورٌ علیٰ نور ہے۔ میرے نزدیک ہر مسلمان کو اس زمانہ میں خواجہ صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے۔ اور اس رسالہ کا مطالعہ واجب ہے۔ جبکہ لوگ اشاعت کفریات و انکار شبہات میں کمربستہ نظر آرہے ہیں +

افسوس یہ ہے کہ ابتک مسلمانوں میں نہ کوئی ایسی باقاعدہ انجمن موجود ہے جو لوگ قلم سے ایسے شبہات کو ہَبَاءً مَنْثُورًا کرتی رہے۔ نہ ایسا اتفاق ہے کہ ایسے لوگوں کو بذریعہ اشتہارِ تکفیر نکے کر اُن کو زمرہ اہلِ اسلام سے خارج کر دے۔ جماعتی و پنچایتی اثر سے ہندوستان کا خالی ہونا۔ اور بجائے اُسکے قانونی پیچیدگیوں کی بلائے عظیم میں گرفتار ہونا ایسی تباہی ملک کی ہے جسکا طول وعرض احاطۂ تحریر سے خارج ہے +

اگر ہمارے ہاں تمدنی یا مذہبی اتفاق کی انجمنیں قائم ہوتیں تو ہم ایسے فتن کی ریشہ دوانیوں کو بسہولت قطع کرسکتے۔ اور ایسے ضالین و مُضلین کے دام فریب سے اہل اسلام کو محفوظ رکھ سکتے۔ کم سے کم ہم اُن کی تمدنی زندگانی پر اُن سے قطع روابط تمدن کرکے اُنپر عذاب الیم نازل کرتے اور وہ متنبہ ہوتے۔ حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بار بار ایسے اشارات فرمائے ہیں۔ جناب جدِ علامہ مولانا السید نجف علی نونہروی قدس سرہ رسالہ "اِلْهَابُ السَّقَرِ عَلٰى مَنِ اسْتَحَلَّ الْخَمْرَ مُتَمَسِّكًا بِاٰيَةِ السُّكْرِ" میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ "منقول است از حضرت سید المرسلین کہ کسیکہ سلام کند بر شارب الخمر و یا با او معانقہ و مصافحہ نماید حق تعالیٰ طاعت

عبادتِ چہل سالہ او را ضبط نماید۔ و ایضاً فرمود کہ ہمسائگی یہود و نصاریٰ بہتر است از ہمسائگی شراب خوار۔" خود ملحدین و مضلین کے بارہ میں ایسی احادیث کی کمی نہیں ہے۔ یہ ارشادات حکمت آیات حضرت رسالتمآبؐ صاف دلالت اس امر پہ کرتے ہیں کہ ایسے اشخاص سے قطع تعلقاتِ تمدن کرنا لازم ہے تاکہ ایک طرف اُن کی عملی تنبیہ اور دوسری طرف عامہ مسلمین بھی اُن کی تاثیر صحبت سے متاثر نہ ہوں۔ مگر افسوس کہ ہم میں تاریکیِ جہل کے ساتھ نا اتفاقی کی بادسموم قتالہ بھی چل رہی ہے۔ اس وجہ سے نظام انفرادی و مجموعی دونوں ابتر ہیں +

اس عالمگیر ظلمت میں جو مصداق "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" ہے جناب خواجہ صاحب کی تحریر و تقریر۔ جو چراغ ہدایت بن کر اپنی ضیا باری سے قلوب کو منور کر رہی ہے مستحق ہزار تحسین و آفریں ہے۔ ہم لوگوں کو اس مقام پہ یہ دعا کرنا چاہیئے کہ جناب ظریف "تنقید لطیف" کا مطالعہ پوری توجہ اور خالص تدبر و انصاف سے فرما کر بعد رفع شبہات اپنے عقائدِ اسلامیہ میں مستقل و راسخ القدم ہو جائیں +

(۷) عمدۃ الاماثل و زبدۃ الافاضل جناب مولوی سیّد محمد سبطین صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل پروفیسر عربی مہندر کالج پٹیالہ اپنے قابل قدر رسالہ "البرہان" لاہور (جلد سوم نمبر ۱ و ۲ بابت جنوری ۱۹۱۶ء) میں حسب ذیل رائے ظاہر فرماتے ہیں:۔

تنقید لطیف بر خیالات ظریف:۔ اخبار بین حضرات اور خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے مسٹر ظریف ایم۔ اے سابق پروفیسر علیگڈھ کالج کی کتاب "اسلام اور عقلیت" کا بذاتِ خود مطالعہ کیا ہے بخوبی جانتے ہیں کہ مسٹر ظریف نے اپنے ملحدانہ دہریانہ خیالات سے (جو انہوں نے دین پاک اسلام کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ مثلاً اسلام کو عقل کے بالکل مخالف بتلانا۔ باری تعالیٰ کی ہستی کا انکار۔ نبوّت۔ قیامت۔ حشر و نشر۔ سزا و

جزا وغیرہ وغیرہ عقاید اسلامیہ کو محض تو ہمات جاہلانہ بیان کرنا) اسلام کو سخت نقصان پہنچانے .... اور اہل سلام کا دل دُکھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ بعض غیر مسلم اخبارات نے اس کتاب کے مضامین لیکر اہل سلام اور اسلام پر دل کھول کر حملے کئے ہیں۔ یہ کتاب چونکہ حال ہی میں شائع ہوئی ہے اسلئے ابھی وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کوئی شخص ان ملحدانہ خیالات کا مدلل و معقول جواب لکھیگا۔ بلکہ زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر یہ خیال گزرتا تھا کہ کس کے دل کو لگتی ہے۔ جو اپنا عزیز وقت محض اسلام کی خاطر صرف کرے اور فوراً معقول رد لکھے۔ مگر "وطن" اخبار لاہور میں جناب خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی زاد مجدہ کی طرف سے "تنقید لطیف بر خیالاتِ ظریف" دیکھ کر بیساختہ زبان سے نکلا "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند" واقعاً یہ خواجہ صاحب ہی جیسے سچے ہمدرد اسلام کا کام تھا۔ ابھی سوائے خاص خاص حضرات کے عام لوگ کتاب کے نام سے بھی واقف نہ ہوئے تھے کہ اُسکا بے نظیر رد لکھ کر شائع کر دیا۔ یہ تائید غیبی نہیں تو اور کیا ہے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ خواجہ صاحب نے مسٹر ظریف کے ملحدانہ خیالات وہفوات کو عقلی اور علمی دلائل سے جس خوش اسلوبی و متانت سے باطل کیا ہے۔ اُسکا لطف مطالعہ ہی پر موقوف ہے خواجہ صاحب نے اسلام و اہل سلام پر بہت بڑا احسان کیا ہے خداوند عالم اُن کو جزائے خیر دے اور ان کے علم کو مشکور بنائے۔ تمام اہل اسلام کو خواجہ صاحب کا ممنون احسان ہونا چاہیئے۔ اور انکا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ صرف زبانی شکریہ نہیں بلکہ عملی شکریہ جسکی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اہل اسلام حتی الامکان "تنقید لطیف" کی اشاعت میں کوشش کریں۔ خود پڑھیں اور احباب کو پڑھائیں۔ ترغیب دلائیں۔ ہر ایک پڑھے لکھے مسلمان کے پاس کم سے کم اس کا ایک نسخہ ضرور ہونا چاہیئے

"تنقید لطیف" علیحدہ رسالے کی صورت میں مع فہرست طیار ہو گئی ہے جسکا ایک نسخہ بغرض ریویو ہمارے پاس بھی بھیجا گیا ہے اور اسوقت پیش نظر ہے۔ ناظرین البرہان واقف ہیں کہ یہ کوئی خواجہ صاحب کی پہلی اسلامی خدمت نہیں۔ خواجہ صاحب ایک عرصہ سے اسلامی خدمات میں منہمک ہیں جس طرح آپنے اپنے فاضلانہ مدلل لیکچروں سے جنکی بڑے بڑے ذی علم حضرات نے مدح کی ہے۔ مختلف شہروں میں اسلام کی خدمت کی ہے۔ اسی طرح سے آپنے وقتاً فوقتاً اپنی محققانہ تحریرات سے اہل اسلام کو فائدہ پہنچایا ہے۔ آپ کی تالیف سے۔ جسقدر رسائل آجتک شائع ہوئے ہیں وہ عموماً نہایت ہی پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے ہیں۔ سیرۃ النبی۔ معیار الاخلاق کشف الحقیقت تقدیس القرآن وغیرہ جن میں سے بعض البرہان ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔ نہایت مفید رسائل ہیں۔ آپ اپنے اوقات میں سے اکثر حصہ دینی مشاغل میں صرف کرتے ہیں اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں ؎

ضمیمہ دوم۔ اسلام اور عقلیت کی تنقید

ریویو رسالہ اردوئے معلیٰ۔ جلد ۱۴۔ نمبر ۳۔ بابت ستمبر ۱۹۱۲ء میں چھپا تھا اور سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی۔ بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ مذکور کی خاص فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں یہ دکھایا ہے کہ مسٹر ظریف کے اصول بالکل بے بنیاد ہیں اور یہ کہ اُنھوں نے اپنے ذاتی خیالات کو خواہ مخواہ "دا زایانِ قرآن" کی طرف منسوب کردیا ہے۔ حالانکہ حکمائے یورپ ان خیالات کا رد کرتے ہیں لہذا اس مفید مضمون کو بطور ضمیمہ "تنقید لطیف" شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ فلسفیانہ مذاق رکھنے والے حضرات اسکو بھی نہایت دلچسپی سے پڑھینگے۔

اخلاقی بُزدلی تو شاید لیکن علمی بے توجہی یقیناً ہوگی اگر "اسلام اور عقلیت" کے محاکمہ نویس کا فیصلہ تنقید و تنقیح کے معیار سے برتر سمجھ لیا جائے۔ اور صاحب محاکمہ کے ارشادات ایک مذہبی خوش عقیدگی کے ساتھ بے چون وچرا تسلیم کر لئے جائیں۔ یہی وجہ ہی کہ میں اڈیٹر صاحب رسالہ ہذا کے حسب فرمائش اس موضوع پر خوشی کے ساتھ قلم اُٹھاتا ہوں کہ شاید ناواقف پبلک میں سے کسی کو کتاب زیر تنقید کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں کچھ مدد ملے ✦

"اسلام اور عقلیت" ایک جدید الشیوع تالیف کا عنوان ہی جو مسٹر محمد ظریف ایم۔ اے سابق پروفیسر آف لاجک (منطق) علیگڈہ کالج کے قلم سے نکلی ہے۔ کتاب کا اصل مقصد اگرچہ مؤلف کے الفاظ میں صرف "وہ جنبشِ عقلیت جو مسلمانوں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہی ہے اسکی مختصر تاریخ" بیان کرنا اور یہ دکھانا ہے کہ

"زمانہ گزشتہ میں جب عقلیت ترقی پر تھی اسلام ترقی پر تھا اور جب عقلیت تنزل پر تھی اسلام تنزل پر تھا اور زمانہ حال میں جو ہندوستان۔ ایران۔ مصر اور ترکی کے

مسلمانوں میں ترقی کے آثار نمایاں ہیں وہ بھی عقلیت ہی کی وجہ سے ہیں"۔ (ص۲۳)

لیکن اس "مختصر تاریخ" کے پردہ میں مؤلف صاحب نے جن واقعات کا نہیں بلکہ معتقدات وہدایات کا تفصیلی ذکر کیا ہی۔ اُنکا اندازہ اقتباسات ذیل سے ہوسکتا ہی۔

"تعجب کی بات ہی کہ دنیا میں ابتک ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا۔ فرشتوں۔ جنوں قبر۔ قیامت۔ حساب۔ میزان۔ صراط۔ جنّت۔ دوزخ وغیرہ کے قصّوں کہانیوں کو سچ سمجھتے ہیں...... رموزِ دہر کا دریافت کرنا قوانین فطرت کا سمجھنا اور انکے مطابق رہنے کے قواعد بتانا انسان کا کام ہے۔ خدا کا ان باتوں میں دخل دینا دخل درمعقولات ہے۔ مگر جو خدا ان باتوں میں دخل دیتا ہے وہ اہل کتاب کا خدا ہے۔ خیالی خدا ہے اصلی خدا نہیں۔ اصلی خدا دہر ہے۔ دُنیا ہے۔ یہ خدا اہل کتاب کے خدا کی طرح پردہ نشیں نہیں بلکہ بیّن ہی۔ ظاہر ہے۔ اظہر من الشمس ہی۔ جسکا جی چاہے اسے دیکھ لے۔ جسکا جی چاہے اسے سمجھ لے..... دُنیا ازلی اور ابدی ہے اُسے کسی نے نہیں بنایا۔ خود بخود بنی ہے[۱]۔ انسان کا مقصد زندگی یہ ہی کہ وہ دُنیا میں آرام اور عزّت سے رہی..... جوانی میں شادی کرے۔ موٹے تازے بچّے پیدا کرے۔ اُنکو تعلیم وتربیّت دلائے اور خوب روپیہ جمع کرے..... چونکہ اس دُنیا کے بعد دوسری دُنیا نہیں ہی اسلئے یہاں جو پچاس ساٹھ برس رہنے کو ملتے ہیں اُنکو غنیمت سمجھے اور ضائع نہ کرے..... دُنیا ایک دلفریب معشوق ہی۔ پہاڑ۔ دریا۔ جنگل۔ سبزہ۔ پھول۔ چاند۔ کتابیں۔ اور عورتیں (کانّھن الیاقوت والمرجان) اسکے خط وخال ہیں۔ چاہیئے کہ اُن سے لطف اُٹھائے مگر اسراف نہ کرے"[۲]

مسلمان اگر ایک خوشحال۔ آزاد۔ زبردست۔ اور باعزّت قوم بننا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ اوہام پرستی چھوڑدیں اور عقلیت کے قائل ہوں۔ خانۂ خلیل کو چھوڑیں اور

[۱] ص۱-۲۔ [۲] ص۱۸-۱۹۔

خانۂ خدا یعنی نیچر کو مانیں۔ کعبہ کو چھوڑیں اور دہر کے دیر میں چلے آئیں۔ چاہیئے کہ مومن کافر ہو جائیں اور مسلمان ملحد ہو جائیں چاہیئے کہ کفر کا نام ایمان اور الحاد کا نام اسلام ہو جائے۔[۱]

اگر ان خیالات کو جناب مؤلف صرف اپنی ذات کی جانب منسوب کرنے پر قناعت کرتے تو گو یہ ہمیں کتنے ہی غلط و دور از حقیقت نظر آتے لیکن اس صورت میں ہم مؤلف صاحب کی آزاد خیالی کی داد دیتے اور اُنکی کتاب کا صرف اس بنا پر مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتے کہ اُنہوں نے غیر معمولی اخلاقی جرأت سے کام لیکر ایسے خیالات کی اشاعت کی جو انکے نزدیک حقیقت پر مبنی ہیں۔ لیکن سخت قابلِ افسوس یہ امر ہے کہ ان خیالات کا انتساب علمائے یورپ کے ساتھ کیا گیا ہے اور کنایۃً و صراحۃً اس امر کا بار بار دعوےٰ کیا ہے کہ یہ "دانایانِ فرنگ" کے مسلمات ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس جھوٹ کے انبار میں سچائی کا کوئی دانہ شامل ہے۔ "آجکل کے طبعیین او رعقلیین کا مذہب"۔ "دانایانِ فرنگ کی تحقیق"۔ "علوم جدیدہ کی جان"۔ "فلسفہ کا خلاصہ" جو کچھ ہے وہ بہ قول ہمارے مؤلف کے الحاد ہے[۲]۔ اس ایمانِ مجمل کے ارکان مفصل انہیں کے الفاظ میں یہ ہیں۔

"انسان کسی چیز کو نہ مانے جبتک کہ وہ مشاہدے اور تجربہ میں نہ آسکے[۳]"۔ اصلی خدا دہری دُنیا ہے[۴]۔ دُنیا ازلی اور ابدی ہے۔ غیر محدود ہے۔ دُنیا اسقدر خوبصورت ہے اسقدر مہیب اور عظیم الشان ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ اُسے خدا نہیں سمجھتے[۵]۔ مذہب تو بجائے ممد اخلاق ہونیکے مخرّب اخلاق ہے مذہبی آدمی ...... زیادہ گناہ کرتا ہے مگر ملحد ...... گناہ کم کرتا ہے۔ ثبوت اسکا یہ ہے کہ اکثر مذہبی اور متشرع لوگ جھوٹے مکار ریاکار۔ خود غرض۔ اور گندم نما جو فروش ہوتے ہیں۔ اور اکثر ملحد اور بے دین لوگ سچے۔ اچھے۔ سیدھے۔ اور صاف دل ہوتے ہیں[۶]۔" اس دُنیا کے بعد کوئی دوسری

---

[۱] ص ۲۲ [۲] ص ۲، ۲۴۲۵۶۷ [۳] ص ۱ [۴] ص ۲ [۵] ص ۲ [۶] ص ۲

دُنیا نہیں[۱] - انسان خدا کا جزو ہے اور اسپر بہت کچھ منحصر ہے - اگر وہ خوش رہنا چاہے تو خوش رہ سکتا ہے - اگر غمگین رہنا چاہے تو غمگین رہ سکتا ہے - اسکی صلاح و فلاح اسی کے ہاتھ میں ہے - اسکی ذلت و نکبت اُسی کے ہاتھ میں ہے[۲] - روح کوئی چیز نہیں[۳] گناہ کبھی نہیں معاف ہو سکتے[۴] دوسری دُنیا نہیں ہے[۵]

اُن تناقض بیانیوں سے قطع نظر کرکے جو اقتباس بالا کے بعض حصّوں کے درمیان پائی جاتی ہیں - سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا واقعی "دانایانِ فرنگ" کا بھی یہی مسلک رہا ہے؟ کیا بیکن و دیکارٹ - کیپلر و گلیلو بانیانِ علوم جدیدہ کے یہی عقائد تھے - کیا کینٹ و ہیگل - لاک و ہیوم جو رؤس الفلاسفہ کے لقب سے موسوم ہیں انہیں معتقدات کے پیرو تھے؟ کیا نیوٹن و ہارڈی و سے آر ولیونیز وغیرہ اساتذۂ سائنس کے یہی مسلمات تھے؟ لیکن معترض کہہ سکتا ہے کہ "تم نے جن افراد کے نام لیے ہیں یہ خود مدت ہوئی کہ کُہنگی و فرسودگی کے عمیق غار میں دفن ہو چکے ہیں - اسلئے انکی رایوں سے حکماء حال کے خیالات کے متعلق استناد کرنا تقویم پارینہ سے سنہ رواں کا حساب کتاب کرنا ہے - بے شبہ یہ اعتراض صحیح ہے - ہمیں سولھویں - سترھویں اور اٹھارویں صدی کے مشاہیر کے بجائے اُن دانایانِ فرنگ کا نام پیش کرنا چاہیئے - جنھوں نے اُنیسویں صدی اور نیز موجودہ صدی کے ابتدائی حصّے میں اپنے کمالات کا اعتراف تمام دُنیائے علم سے کرا لیا ہے - اس بنا پر ہم اپنے پچھلے سوالات کو واپس لیکر اب از سرِ نو یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا کومٹ - ویل اسپنسر و لبرگسن نے کہیں بھی دہریت کا دعویٰ کیا ہے؟ کیا جیمیس و لی بیان - ٹامسن و پامیٹور کے قلم سے ایک حرف بھی دُنیا کے خود آفریدہ ہونے کی تائید میں نکلا ہے؟ کیا ڈاروِن و ہکسلی - ہلمونز و کیلون کی تحریروں میں ایک سطر بھی انکارِ خدا کی حمایت پر دکھائی جا سکتی

[۱] صا ۔ [۲] صنا ۔ [۳] صلا ۔ [۴] صا ۔ [۵] صا

ہے کہ جب واقعیت کی زبان ان تمام سوالات کا جواب نفی اور پُرزور نفی میں دیتی ہے تو اتمام حجت کے لیے ہم ایک بار جرمنی کے اُن مادہ پرستوں کی تصانیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جنہوں نے گزشتہ صدی کے وسط میں مادیت کے طبل تہی پر اس زور سے چوب لگائی تھی کہ چند لحظوں کیلئے موافق و مخالف سب چونک پڑے تھے۔ ووٹ[۱] ۔ مولشاٹ[۲] اور بوشنر[۳] یہ لوگ مادیت کے اقانیم ثلاثہ ہیں اور اگرچہ انہیں علمی دنیا میں کوئی امتیازی مرتبہ نہیں حاصل تاہم اُن میں سے ہر فرد عوام کی ایک جماعت کثیر کا معتقد علیہ رہ چکا ہے۔ انکی تحریروں کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں اور ہمارے مؤلف کے خیالات میں گو ایک بڑی حد تک اشتراک ہے۔ مثلاً یہ لوگ بھی دنیا کو ازلی اور ابدی مانتے ہیں حیات مابعد الموت کے منکر ہیں وغیرہ۔ تاہم یہ توافق و اشتراک ایک خاص حد تک ہے جسکے بعد ہمارے مؤلف مادیت کی حدود سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ "انسان کے لئے صرف اُسکے مشاہدات و تجربات قابل تسلیم ہیں" ایسا ہے جسکا قائل کوئی بڑے سے بڑا مادہ پرست بھی نہیں ہوا ہے۔ جیسا کہ بوشنر نے اپنی کتاب "مادیت پر آخری الفاظ"[۴] میں بالتصریح لکھا ہے۔ زیادہ تفحص و جستجو کے بعد آخرکار یہ پتہ چلتا ہے کہ "دانایانِ فرنگ" کی جماعت کے یہ رکن رکین بسم اللہ کا اصل مسئلہ کوئی مشہور فلسفی۔ کوئی نامور سائنس داں کوئی علمی محقق نہیں۔ بلکہ امریکہ کا وہ زباں آور بیرسٹر ہے جسکی اصطلاح عمل میں مفروضات و واقعات اور دعاوی و دلائل مرادف الفاظ ہیں اور جسکے علمی سلح خانہ میں اگر کوئی مؤثر و کارگر حربہ ہے تو صرف خطیبانہ جوش و خروش ہے یعنی رابرٹ گرین انگرسال جسکے ملحدانہ خیالات۔ غیر منطقی مفاہیم۔ اور خودسرانہ طرز ادا کا چربہ اُتارنے کی ہمارے مؤلف نے کافی کوشش کی ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اُنکو اس کوشش

---

[۱] Vogt

[۲] Moleschott

[۳] Buchner

[۴] Buchner's Last Words on Materialism

میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مؤلف نے "دانایانِ فرنگ" کی جانب عقائد بالا نہ صرف خلافِ واقعیت منسوب کر دئے ہیں بلکہ بعینہ وہ خیالات ہیں جنکی تردید تمام محققین یورپ کر چکے ہیں۔ اور قیاس میں نہیں آتا کہ اُن کی تصانیف کے مطالعہ کرنے والے ان تردیدوں سے ناواقف ہوں۔ حکماء یورپ (جنسے ہماری مراد یہاں سائنس و فلسفہ دونوں کے اساتذہ سے ہے) کی ایک قابلِ لحاظ جماعت کے افراد تو تقریبًا خالص مذہبی خیال کے لوگ ہوئے ہیں جن میں سے اکثروں نے مذہب کی تائید میں رسائل و مضامین لکھے ہیں۔ وجودِ باری پر اپنے خیال کے مطابق مستحکم دلائل قائم کئے ہیں اور الحاد کے رد میں مستقل یادگاریں چھوڑ گئے ہیں۔ مثلاً بیکن۔ ڈیکارٹ۔ لاک۔ نیوٹن۔ لبنز۔ کیلون وغیرہ۔ لیکن اسکے علاوہ ایک اور اہم و روز افزوں گروہ حکما کا ہے جسکے چند خاص ارکان یہ ہوئے ہیں بنتھم۔ کامٹ۔ مل۔ ڈاروِن۔ اسپنسر۔ ہکسلی۔ ٹنڈل۔ ان لوگوں کا مذہب سے کچھ سروکار نہیں۔ یہانتک کہ مذہبی جماعت انہیں بھی ملاحدہ کے لقب سے موسوم کرتی ہے۔ تاہم دہریت کے متعلق انکے جو خیالات ہیں انکا اندازہ اقوالِ ذیل سے ہوسکتا ہے۔

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی مشہور تصنیف "اصول اولیہ"[له] میں جہاں خدا پرستی کے عقیدہ کی خامیاں دکھائی ہیں وہاں اس سے کچھ بیشتر ہی وہ دہریت کی تردید کر چکا ہے اس موضوع پر اُسنے جو کچھ لکھا ہے اسکا ماحصل یہ ہے۔ کہ دہریت نہ صرف ایک ایسا مسئلہ ہے جو غیر واقعی ہے بلکہ ذہن اُسکا تصور ہی نہیں کرسکتا۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب سے متعلق یقینًا یا اثباتًا جو کچھ بھی رائے انسان قائم کرتا ہے اسکی اصل بُنیاد محض اس فطری جستجو

له ملاحظہ ہو Spencer's First Principles مطبوعہ جلد اول صـ ۲۳-۲۴۔ اس پیراگراف میں ہمنے اسپنسر کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

ہوتی ہے کہ کائنات کی علت کیا ہے۔ جب ہم فرداً فرداً کارخانہ عالم کے ہر ذرہ میں علت اور معلول کا رشتہ پاتے ہیں تو آخر کار یہ دُنیا بہ حیثیت مجموعی کیونکر وجود میں آئی۔ دہریت کہتے ہیں کہ دُنیا خود بخود بلا کسی سبب کے قائم ہے گویا قانون سببیت جو سارے عالم میں ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ خود وجود عالم کے موقع پر باطل ہو جاتا ہے اور اس عقیدہ کو ذہن نہیں قبول کرتا۔ علاوہ ازیں دُنیا کے خود بخود موجود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہمیشہ یعنی ایک غیر محدود زمانہ سے قائم ہے۔ اور زمانہ نامتناہی کا تصور ہمارے ذہن کی قوت سے خارج ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کرکے ہمارا اصل سوال یہ تھا کہ عالم کیونکر وجود میں آیا؟ دہریہ اسکے جواب میں کہتا ہے کہ یہ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے قائم ہے۔ کیا اس جواب سے رازِ کائنات کی گتھی کے سلجھنے میں کچھ بھی مدد ملتی ہے کیا اس جواب سے کسی شے کی علت پر کوئی روشنی پڑتی ہے کہ وہ اسوقت سے نہیں بلکہ ایک صدی سے قائم ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر معلوم ہوگا کہ دہریت نہ صرف ناقابل یقین بلکہ ناقابل تصور عقیدہ ہے۔

ان استدلالات کی صحت و عدم صحت سے اسوقت بحث نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ایک نامور غیر مذہبی "دانائے فرنگ" دہریت کو کتنی اوچھی چیز قرار دیتا ہے۔ اسکے علاوہ اسپنسر نے اپنے بعض مضامین و مکاتیب میں بھی دہریت سے قطعاً تبری کی ہے۔ جسکا ذکر اسکی سوانح عمری میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔

پروفیسر ہکسلی جسکا نام عام مسیحی دُنیا میں کفر و الحاد کا مرادف سمجھا جاتا ہے اور جو مذاہب مروجہ میں سے واقعی کسی کا پیرو نہ تھا۔ تاہم دہریت کو مذہبیت سے بھی زیادہ خطرناک غلطی تسلیم کرتا تھا۔ ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے کہ[1]

"میرے نزدیک دہریت خالص فلسفیانہ اسباب کی بنا پر قطعاً ناقابل تسلیم ہے۔ یہ

---

[1] لائف اینڈ لٹرز آف پروفیسر ہکسلی۔ جلد ۲ صفحہ ۲۸-۲۹ مطبوعہ ۱۹۰۳ء

سچ ہے کہ علماء مذہب نے خدا کے متعلق جو تصور قائم کر رکھا ہے اس قسم کی ہستی کا ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن بس اسکے آگے سائنٹفک استدلال کی بنا پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے جن چیزوں تک ہمارے علم کی رسائی نہیں انکے متعلق نفیاً یا اثباتاً کوئی پہلو نہیں اختیار کیا جا سکتا"

ایک اور موقع پر ایک فلسفیانہ انجمن کے سامنے وہ اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتا ہے[۱]

"میں نہ جبری ہوں نہ مادی اور نہ دہری اسلئے کہ ہستی کائنات کی علت کی رازکشائی مجھے اپنے ناقص قویٰ سے بہت بالاتر معلوم ہوتی ہے۔ میں نے ابتک جو پڑھا ہے اسمیں سب سے زیادہ مہمل مجھے اُن حکماء کے عقائد نظر آتے ہیں! جو خدا کی تفصیلی ماہیت بتانے کے مدعی ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ بیہودہ اُن حکماء کے خیالات ہیں جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی خدا موجود نہیں"

اسی طرح مل۔ ڈارون۔ ٹنڈل وغیرہ تقریباً تمام "داتایان فرنگ" نے منکرِ مذہب ہو کر تکوینِ عالم کے متعلق جب کبھی اظہار خیال کیا ہے تو ہمیشہ یہ کہا ہے کہ اگرچہ ہمیں وجودِ باری کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تاہم اُسکے انکار پر بھی ہم کوئی استدلال نہیں پیش کر سکتے اور یہ کہ سائنس کے مُحقّق واقعات خدا کے تصور سے متناقض نہیں[۲]

یہ تمام بحث اس لحاظ سے تھی کہ مؤلف نے سائنس و مذہب کے باہمی تعلقات کے بارے میں جن جن خیالات و معتقدات کو ماہرین سائنس کی جانب منسوب کیا ہے وہ واقعیت پر مبنی نہیں لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز مؤلف کی یہ بیباکی ہے کہ مذہب سے قطع نظر کرکے خالص

---

[۱] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۔ [۲] مل کے خیالات کیلئے اُسکے Essays on Religion کے صفحات ۱۲۵ تا ۱۲۷ ملاحظہ طلب ہیں۔ ڈارون کے عقائد کیلئے دیکھو اُسکی خود نوشت سوانح عمری اور نیز بعض خطوط مشمولہ Life & Letters of Darwin۔ ٹنڈل کے خیالات کا ماخذ بھی اُسکے Fragments of Science

سائنٹفک تحقیقات کے جو ثمرات و نتائج انہوں نے درج کئے ہیں اُن میں بھی ایک سے زائد غلط بیانی موجود ہیں مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ "وحشی انسان اور حیوان میں کچھ بھی فرق نہیں ہوتا بلکہ بعض حیوان وحشی انسانوں سے زیادہ ذہین اور زیرک ہوتے ہیں"! (ص۱۳۱) یہ کس قدر صریح غلط بیانی ہے؟ مؤلف رسالہ نے اپنے ماخذ کی فہرست میں - ڈاروِن اسپنسر اور ہیکل کے نام بھی گنائے ہیں۔ لیکن اگر ہم انکی دیانت پر اعتماد کریں تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ ان مصنفین سے واقفیت کے بعد انکے قلم سے ایسا خلاف واقع دعوی کیونکر نکلا! یہ بے شبہ سچ ہے کہ انسان اور اونچے درجہ کے حیوانات (مثلاً کتا - بندر وغیرہ) کے قوائے ذہنی میں بہت کچھ تشابہ و اتحاد پایا جاتا ہے - یہاں تک کہ جیسا کہ ڈاروِن نے "ڈیسینٹ آف مین" میں صدہا تجربات و مشاہدات کے بعد نتیجہ نکالا ہے - انسان میں کوئی ایسی ذہنی قوت نہیں جسکا کچھ نہ کچھ شائبہ حیوانات میں نہ موجود ہو تاہم انہیں تجربات و مشاہدات سے یہ بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اور حیوان کے قوائے دماغی میں اتحاد کیفی ہے نہ کہ کمی - یعنی اگرچہ نوعی حیثیت سے قوائے ذہنی انسان و حیوان میں قدر مشترک ہیں تاہم مقدار و کمیت کے لحاظ سے ذہنِ انسانی ذہنِ حیوانی سے بدرجہا بالاتر ہے چنانچہ ایسے صدہا افعال ہیں جنہیں ایک وحشی سے وحشی انسان تو کر سکتا ہے مگر کسی زیرک سے زیرک حیوان سے وہ ابتک نہیں ہو سکے ہیں - مثال کیلئے ہم پتھر کے آلۂ حرب بنانے کی قابلیت کو لیتے ہیں - ایسے متعدد وحشی قبائل موجود ہیں جو انسانیت کی بالکل ابتدائی منزل میں ہیں مگر یہ لوگ پتھروں کو اٹھا کر انہیں درست کر کے ہتھیار کی شکل بنا لیتے ہیں اور پھر اُن سے جنگ و شکار کے مواقع پر آلات حرب کے کام لیتے ہیں لیکن یہ فعل ایسا ہے کہ جسکے کرنے پر موجودہ انسانی معلومات کے مطابق کوئی ہشیار سے ہشیار حیوان قادر نہیں ہو سکا ہے - حیوان اور انسان کے قوائے دماغی کے اس

تفاوت عظیم کو خود علمارسائنس و علمبرداران ارتقار نے علانیہ تسلیم کیا ہے جن میں سے ہم دو فاضل ترین علمار کے اقوال یہاں درج کرتے ہیں۔

ڈارون جس سے زیادہ اس مسئلہ پر رائے زنی کا حقدار اور کون ہے تقریبًا سو صفحات اس بحث کی نذر کرکے بطور خلاصہ کے لکھتا ہے کہ "اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ حیوان اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے ذہن میں عظیم الشان فرق ہے تاہم یہ فرق گو عظیم ہے لیکن مدارج پر مبنی ہے نہ کہ نوعیت پر" (ص۱۹۲)

ہکسلی جس کی ایک عمر انسانی وحیوانی دماغ کے موازنہ میں صرف ہوئی ہے لکھتا ہے کہ ادنیٰ ترین انسان اور اعلیٰ ترین بوزنہ کے قوائے ذہنی کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔[۵۱]

ہکسلی چونکہ تشریح اور افعال الاعضار کا بھی ماہر تھا۔ اسلئے اسی کے ساتھ اس ذہنی تفاوت کی یہ وجہ بھی وہ تحریر کرتا ہے کہ انسان اور حیوان کے مغز کے اوزان میں تفاوتِ عظیم ہے۔ چنانچہ ابتک چھوٹے سے چھوٹے صحیح الدماغ انسانی مغز کا وزن ۳۱ یا ۳۲ اونس نکلا ہے اور بڑے سے بڑے بوزنہ کے مغز کا ۲۰ اونس[۵۲]۔ انکے علاوہ اور متعدد مشاہیر علمار سائنس کے اقوال اسی کی تائید میں موجود ہیں اور علم النفس کے ماہرین کا تقریبًا متفقہ فیصلہ ہے کہ جزئیات سے کلیات کے ادراک کی قابلیت انسان کے ساتھ مختص ہے (خواہ وہ وحشی ہو یا متمدن) اور یہ کہ اعلیٰ ترین حیوانات کے اذہان بھی اس قابلیت سے محروم ہیں۔ ناظرین کی مزید تشفی کے لئے ہم فٹ نوٹ میں چند مشہور محققین کے حوالے دیتے ہیں جنہوں نے مختلف حیثیات سے ان

---

۵۱ Huxley's Man's Place in Nature ص۹۵

۵۲ ایضًا

دعاوی کی تائید کی ہے۔[5]

اسکے علاوہ اور بہت سے مقامات پر مولف نے سائنٹفک نقطہ خیال کی ترجمانی میں غلطی کی ہے لیکن ہم طوالت کے خوف سے صرف اسی ایک غلط بیانی کی پردہ دری پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے [illegible] ڈھایا ہے کہ واقعات میں تصرف کے علاوہ پیرایہ ادا میں بھی [illegible] رکھا ہے۔ ماہرین سائنس کی تصانیف کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی تحریر کو حتی الامکان بدرجہ غایت معتدل رکھتے ہیں۔ [illegible] اسپرٹ [illegible] طلب [illegible] جو انکے قلم سے نکلتا ہے اسکے ساتھ ہی واقعات سے بھی استشہاد [illegible] ہے۔ پھر جو مسائل محقق ہو چکے ہیں انہیں اضافی حیثیت سے یقینی شمار کرتے ہیں اور جو نظری ہوتے ہیں انہیں نظریات کے درجہ میں رکھتے ہیں۔ برخلاف اسکے ہمارے مولف نے اپنے مقدمہ کتاب میں مسائل سائنس کے بیان کرنیکا جو طرز اختیار کیا ہے اسمیں ہر ہر قدم پر ادعا و تحکم کی بو آتی ہے جو تحقیق پسندی اور سائنٹفک اسپرٹ کے بالکل منافی ہے اور اکثر ایسے مسائل جو ابھی نظریات کی منزل سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ انہوں نے اس لب و لہجہ سے بیان کئے ہیں کہ گویا وہ بدیہیات ہیں اور ان میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ لیکن ہم جناب مولف کی خدمت

(1) James Principles of Psychology Vol II. pp. 350 -

(2) Wallace's "Wonderful Century" pp. 374-381

(3) Morgan's Introduction to Comparative Psychology pp. 307-308

(4) "Problems of Life and Mind" Vol I:

(5) "Brain as an Organ of Mind" p. 203

میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایسا تحکمانہ (Dogmatic) طرز تحریر اختیار کرنا سائنس کی دوستی نہیں بلکہ سخت ترین دشمنی کرنا ہے۔ اسلئے کہ سائنس کو جو شئے عام انسانی معلومات سے اسقدر ممتاز۔ معزز و مرتفع کئے ہوئے ہے وہ اسکی تحقیقات کے نتائج نہیں بلکہ صرف وہ طرز۔ وہ اصول۔ وہ اسپرٹ ہی ہے جسکے ساتھ ایک ایک سائنس داں چھوٹی سے لیکر بڑی تک ہر چیز کی تفتیش و جستجو کرتا ہے اور جسکا ایک اہم جزو یہ ہے کہ "اپنے تئیں تمام تعصبات و ادعات سے پاک رکھو۔ اپنے خاطی ہونیکا امکان ہمیشہ تسلیم کرتے رہو اور کافی شہادت و ثبوت کے بغیر سائنس کے نام سے ایک حرف بھی نہ نکالو"۔

ذیل میں ہم جناب مؤلف کے انداز تحریر کا کچھ نمونہ درج کرتے ہیں اسکو پڑھو اور دیکھو کہ سائنس کا یہ نادان دوست کس مدعیانہ لہجہ میں اپنے عقاید سائنس کے نام سے بلا دلائل و براہین ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہے:- "دنیا جو اجرام فلکی کے مجموعہ کا نام ہے مادہ اور قوت سے مرکب ہے۔ مادہ لایخرب اور قوت لازوال ہے اسلئے دنیا ازلی اور ابدی ہے۔ اسے کسی نے نہیں بنایا۔ خود بخود بنی ہے دنیا غیر محدود ہے اسلئے اجرام فلکی بیشمار ہیں۔ یہ ازل سے فضائے آسمانی میں بن رہی ہیں اور ٹوٹ رہی ہیں" (صہ) دراصل تمام اشیا دو چیزوں یعنی مادہ اور قوت یا جسم و جان سے مرکب ہیں تیسری شے جسے روح کہتے ہیں وہ نہ انسان میں ہے اور نہ کسی اور شئے میں ہے۔ جب پھول سوکھ جاتا ہے تو اسکی خوشبو غائب ہو جاتی ہے۔ اسکی پتیاں خاک میں مل جاتی ہیں اور اسکا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب بلبل مر جاتی ہے تو اسکا زمزمہ ہمیشہ کیلئے خاموش ہو جاتا ہے اسکے پر ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ اسکا گوشت کیڑوں کا طعمہ ہو جاتا ہے اور اسکا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جب انسان مر جاتا ہے تو نطق۔ جذبات وغیرہ سب خصوصیات اس سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ اسکا جسم

خاک یا خاکستر ہو جاتا ہے اور اسکا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے اگر بھول میں روح نہیں اگر بلبل میں روح نہیں تو انسان میں بھی روح نہیں" (صـ۱۴ ـ ۱۵) کون کہتا ہے کہ یہ (حیوانات) گو گلے میں جبکہ ہر جذبہ کا اظہار کر سکتے ہیں۔ جبکہ یہ ہزار قسم کی بولیاں بول سکتے ہیں بلبل ہزار داستان کو گونگا کہنا اگر ظلم نہیں تو اور کیا ہے" (صـ۱۳) مذہبی آدمی یہ سمجھ کر کہ توبہ قبول ہو سکتی ہے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور معاف نہوں تو اُنکی سزا کہیں دوسری دنیا میں جسکا اُسے دل سے یقین نہیں ہوتا ملتی ہے۔ زیادہ گناہ کرتا ہے۔ مگر ملحد سمجھتا ہے کہ گناہ کا اثر دائمی ہوتا ہے اُسکی سزا دُنیا میں ملجاتی ہے اور فطرت کبھی معاف نہیں کرتی اسلئے وہ گناہ کم کرتا ہے۔ ثبوت اسکا یہ ہے کہ اکثر مذہبی اور متشرع۔ جھوٹے۔ ریا کار۔ مکار خودغرض اور گندم نما۔ جو فروش ہوتے ہیں" اور اکثر ملحد اور بے دین لوگ سچے اچھے سیدھے اور صاف دل ہوتے ہیں" (صـ۱۷) منصور کے عہد سے واثق کے عہد تک معتزلہ خوب پھلے پھولے۔ بعض اعتزال کے جوش میں اعتزال سے اعتزال کر گئے اور گمراہ ہو گئے مگر چند جو علم میں راسخ تھے . . . وہ اعتزال سے ترقی کر کے ملحد ہو گئے اور منزل مقصود پہ پہنچ گئے۔ وہ جان گئے کہ دُنیا تولد کا نتیجہ ہے۔ یعنی خودبخود بنی ہے اور اسے کسی نے نہیں بنایا۔ وہ جان گئے کہ دُنیا قدیم ہے کیونکہ یہ قانون فطرت ہے کہ معدوم چیز کبھی موجود نہیں ہو سکتی۔ وہ جان گئے کہ دُنیا کا انتظام بہ آئین تولد (؟) خودبخود چل رہا ہے۔ یہی الحاد ہے۔ یہی حقائق کی حقیقت اور معارف کی معرفت ہے یہی فلسفہ کا خلاصہ۔ یہی علوم جدیدہ کی جان ہے" (صـ۶۷)

ترتیب مقدمات و تسلسل نتائج کی یہ کسقدر دلربایانہ مثالیں ہیں! ان اقتباسات کو پڑھو اور پڑھ کر خود فیصلہ کرلو کہ کیا ایک منطق کے پروفیسر کی اصول منطق سے اسقدر بیگانگی بیحد حیرت انگیز نہیں؟ کیا اُردو زبان کا سنجیدہ علمی لٹریچر بایں ہمہ کم مائگی اس سے زیادہ سطحی۔ اس سے زیادہ عامیانہ اور اس سے زیادہ

خودسرانہ طرز تحریر کی کون نظیر پیش کر سکتا ہے؟

غرض یہ کہ ہمارے مؤلف صاحب نے مذہب کے بارے میں حکماء یورپ کی آواز جو ہاں
کا وہیں تک پہنچایا جاتا ہی ہے وہ ان کی اصلی آواز نہیں بلکہ ان کے بالکل متناقض
ایک صدا ہے۔ نیز یہ کہ مسائل میں [illegible] نقطۂ خیال سے انہوں نے
ہاتھ لگایا ہے۔ الغرض یہ بھی انہیں اکثر حیثیات سے ناکامی ہوئی ہے اور ہمارا ریویو
اسی مقام پر ختم ہوا جاتا ہے لیکن خاتمہ سے قبل دو ایک باتیں عرض کر دینا ضروری ہیں
(۱) اوّلاً یہ کہ ادبی حیثیت سے کتاب کا لہجہ سخت قابل اعتراض ہے۔ ادبی حیثیت سے
ہماری انشا پردازانہ تحریر یا طرز ادا کی متانت مقصود ہے جو تہذیب
شائستگی کے عام اصول کے مطابق علمی تحریروں کا ایک لازمی عنصر قرار پا چکی ہے
لیکن افسوس ہے کہ مؤلف صاحب نے اس کا بالکل لحاظ نہیں رکھا اور بعض جملے اور الفاظ ان کے
قلم سے ایسے نکل گئے ہیں جو مذاق سلیم پر [illegible] ہونے کے علاوہ شاید ان کے
مخالفین کے لئے کسی قدر دل آزار بھی ثابت ہوں۔ اسی قسم کے جملوں کا نمونہ کچھ تو
اقتباسات بالا میں ضمناً آگیا ہے مزید تفصیل کیلئے ناظرین کو اصل کتاب کی
طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اسی سلسلہ میں آپ کا غزالی - اشعری - ابن رشد وغیرہ
کا ذکر سخت تحقیر آمیز لہجہ میں کرنا اور ان کے لئے عموماً واحد غائب کے ضمائر استعمال

لہ امام غزالی کا ذکر جناب مؤلف اس انداز میں کرتے ہیں "فلسفہ کا بڑا دشمن [illegible] جبکہ مسلمانوں
میں ایسے ایسے فیلسوف پیدا ہو رہے تھے غزالی پیدا ہوا۔ آپ نے بڑی شدومد سے فلسفہ کی
مخالفت کی اور اسے کفر قرار دیا۔ اگر غزالی پیدا نہ ہوتا تو زیادہ ترجیح واقع نہ ہوتا جیسا کہ اور
بہت سے ملاؤں کی مخالفت سے [illegible] تھا مگر مسلمانوں کی بدقسمتی سے غزالی ایک غیر معمولی طاقت
... اشعری [illegible] تھا ... [illegible] میں ... غزالی کو شہرت [illegible] ہو گیا (دیکھو صفحہ [illegible])

کرنا اور سرسید و مولوی چراغ علی کا نام کافی احترام سے لینا متانتِ تصنیف و تالیف کے بالکل منافی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ مؤلف صاحب نے جابجا بعض شعرا کو ملحد قرار دیا ہے اور انکے الحاد کے ثبوت میں اُنکے اشعار کو سنداً پیش کیا ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ اس استدلال کا کیا وزن ہے اشاعرہ تو ایک چیز کو ایک ہی وقت میں موجود و معدوم دونوں مانتے ہیں تو کیا اس بنا پر انکو اجتماع نقیضین کا قائل کہنا صحیح ہے؟ شاعروں کے علاوہ بعض اسلامی سلاطین۔ حکما و صوفیہ کو بھی ہمارے مؤلف نے ملحد شمار کیا ہے لیکن انکے الحاد کے شواہد اگر قطعاً تشفی بخش نہیں تو کم از کم مشتبہ ضرور نظر آتے ہیں۔ مگر یہ خاص تاریخی مسائل ہمارے حدود سے خارج ہیں اسلئے ہم ان میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔

آخر میں ہم جناب مؤلف سے صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ان کمزوریوں اور فروگزاشتوں کے ساتھ جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ملک انکی کتاب کا فیاضی کے ساتھ استقبال نہ کرے تو اسمیں پبلک کا قصور نہیں اسلئے کہ ایسی کتاب جسکے مطالب میں دقتِ نظر کا شائبہ نہو جسکے مندرجہ معلومات و واقعات ایک کافی تعداد میں غلط ہوں اور طرز ادا (اسٹائل) کے لحاظ سے جسکا درجہ نہایت ادنیٰ ہو کس بنا پر اور کس توقع پر پبلک کو اپنا گرویدہ بنا سکتی ہے؟

زبہت نہ گوشۂ چشمے نہ چینِ ابروئے ۔۔۔ بحیرتم کہ دلِ برہمن زلف چوں شد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶۔ اپنے مکان کے قریب ایک خانقاہ بنوائی اور وہیں بیٹھا کرتا تھا۔ اس اثنا میں مدرسہ نظامیہ بغداد کی مدرسی خالی ہوئی۔ غزالی سے درخواست کی گئی کہ آپ منظور کر لیجئے مگر اُسنے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اسکی بڑی خوشامد کی.... مگر غزالی پر تصوف کا جادو چل چکا تھا۔ اسکے دم میں آچکا تھا۔ اسکے دام میں پھنس چکا تھا۔ تحقیق حق اور حصول علم کا شوق۔ تجسس کی دُھن۔ تفتیش کا مادہ وغیرہ ..... سب نذر وہ تھیں وہ ایک قسم کی خودکشی کر چکا تھا۔ سُنتا کون تھا۔ بغداد نہ گیا اور اسی خانقاہ کے کونے میں بکڑی کی طرح بیٹھا رہا۔

جنگ طرابلس عرف خونِ ناحق

جنگ طرابلس کے ہولناک زمانہ میں جادو نگار انشاپردازوں کے جو اعلیٰ مضامین مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئے تھے ان میں سے چیدہ مضمون نظم و نثر اس ایک کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں جس کا ہر ایک صفحہ درماندہ مسلمانوں کی مظلومیت و بیکسی اور خونخوار ظالموں کے مظالم کی دردناک تصویر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بڑی عبرت حاصل ہوتی ہے اور اولوالعزمی کا مادہ۔ ترقی کا جوش اور مذہب کی حمایت کا احساس پیدا ہوتا ہے لکھائی چھپائی کے اعتبار سے تو یہ کتاب یقیناً بے نظیر ہے ایسی خوبصورت اور خوشنما چھپی ہے کہ دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ٹائٹل پیج نئے طرز کا ہے اور مختلف رنگوں کی گلکاریوں سے نہایت دلفریب ہو گیا ہے اڈیٹر صاحب الہلال کی رائے ہے کہ لکھائی چھپائی میں بہتر سے بہتر مطبوعات بھی خونِ ناحق کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ مشاہیر قوم اور تقریباً تمام اخباروں نے اس کتاب کو مسلمانوں کیلئے بہت ہی مفید بتایا ہے تقطیع کلاں ۲۰×۲۶ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ رعایتی قیمت مجلد عہ۔ غیر مجلد ۱۲ار۔

انتخاب توحید۔ میرٹھ کے مشہور و معروف اخبار توحید کی الہیلی اور شانی کارگزاریوں کی یادگار یہی کتاب انتخاب توحید ہے جسکے پڑھنے سے مردہ جسموں میں جان پڑجاتی ہے۔ زیادہ تعریف کرنے کی بجائے ہم یہاں مراد آباد کے ممتاز اسلامی اخبار نیر اعظم کی رائے نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو اپنے ۱۲ جنوری ۱۹۱۴ء کے اخبار میں لکھتا ہے:۔ آج توحید سفید کفن پہنے ہوئے گنج شہیداں میں سو رہا ہے مگر اُسکے دلفریب مضامین کتابی صورت میں جلوہ افروز ہو کر سیاسی اور تمدنی انجمنوں کی زینت اور روحانی جلسوں کی شمع بنے ہوئے ہیں۔ انتخاب توحید کیا ہے؟ روحانی پھولوں کا خوشنما گلدستہ ہے جسکے ہر پھول سے بوئے وحدت ٹپکی پڑتی ہے اور زبان کی خوبیوں نے خیالات کی قدر و قیمت بڑھا دی ہے جس طرح یہ کتاب اہل ذوق کیلئے سرمایۂ تازہ اسی طرح اُنکے بانداں کیلئے معلم ہے جسمیں دہلی کا روزمرہ۔ برجستہ محاورات۔ امثال کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ قیمت ۱۲ار